يَآيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ (القرآن)

دعوتی، اصلاحی
فکری اور تعلیمی مجلہ

# تبلیغ القرآن پشاور

دوماہی

جلد 3 شمارہ 3
مئی/جون 2016ء ، رجب/شعبان ۱۴۳۷ھ

نگران
مولانا مفتی محمد ایاز دُرانی

مدیر
مولانا سید کفایت بخاری

مدیر منتظم
مولانا حشمت علی صافی

یکے از مطبوعات جامعہ تبلیغ القرآن یوسف آباد پشاور

## فہرست مضامین


تفسیر القرآن
ضیاء البیان فی تفسیر القرآن ..... علامہ عطاء اللہ بندیالوی ..... 3

تفسیر الحدیث
مسلمان کا قتل ..... ادارہ ..... 7

خطبات
نوجوان نسل اور ملک و قوم کی تعمیر و ترقی ..... اداریہ ..... 9

اصلاح عقائد و اعمال
بدعات کیوں حرام ہیں؟ ..... مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ..... 12

تعمیر فکر و کردار
وقت کی قدر و قیمت ..... مصطفیٰ محمد عثمان ترجمہ: عبدالحمید اطہر ..... 18

تزکیہ و تربیت
صحبت صالح ..... انور غازی ..... 24

تعلیم و تربیت
عصر حاضر میں دینی مدارس کی اہمیت و ضرورت ..... مولانا رفیع الدین حنیف ..... 29

نجوم ہدایت
قیدی کا فرار ..... عبداللہ فارانی ..... 34

اسلامی معاشرت
انسانوں کی پہچان ..... خالد رحمن ..... 37

حالات حاضرہ
اسلامی اقدار اور فلمی اور ٹی وی دنیا ..... مولانا عثمان احمد ..... 39

سیرت و تاریخ
امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہؓ کا مقام و کردار ..... قاری سمیع اللہ ..... 42

معیشت و تجارت
اسلامی بینکاری ..... عبدالمنعم فائز ..... 48

مقالات و مضامین
اسلام میں تبدیلی کا تصور ..... مولانا عابد علی پشاوری ..... 51

گوشہ خواتین
بچے اور جھوٹ ..... انور غازی ..... 54

اخبار و احوال
جامعہ و ملحقہ شعبہ جات کے معمولات و سرگرمیاں ..... انجینئر شمس الحق آفریدی ..... 58



قیمت فی شمارہ 30 روپے زر سالانہ ——— 160 روپے
سالانہ زر تعاون بیرون ممالک: 20 ڈالر
بینک اکاؤنٹ نمبر: 012003200-8
بینک کوڈ: 0864
الائیڈ بینک لمیٹڈ فقیر آباد برانچ پشاور پاکستان۔
برائے رابطہ:
فون: 300 45 22-91-92+، موبائل: 151 93 93 333(0)92+



مجلس ادارت
پروفیسر ڈاکٹر محمد عمر
پروفیسر ڈاکٹر دوست محمد خان
مولانا ڈاکٹر اکرام الحق یاسین
مولانا ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف
انجینئر میاں محمد الیاس
پروفیسر سید طاہر شاہ

مجلس مشاورت
مفتی ضیاء الحق
جناب یوسف ظفر
مولانا سمیع اللہ
مفتی محمد حسین
ابو ثاقب شکیل احمد



خط و کتابت کا پتہ
مجلہ "تبلیغ القرآن"
جامعہ تبلیغ القرآن
یوسف آباد ولہ زاک روڈ پشاور پاکستان۔
ای میل
mujalla.jamiatq@gmail.com
ویب سائٹ
www.alishaat.com
پبلشر: حشمت علی صافی
پرنٹر: العلم پبلشنگ سروسز
ترسیل انچارج
قاری احتشام الحق
0333-9393151

تعلیم القرآن

# ضیاء البیان فی تفسیر القرآن

علامہ عطاء اللہ بندیالوی

## ﴿سورۃ البقرہ (۱۰۳۔۱۱۲)﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۗ اَلَمْ تَعْلَمْ
اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ
بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ
حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۗ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ
اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۗ
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

**ترجمہ:**

- اے ایمان والو: (نبی اکرم ﷺ کو متوجہ کرنے کے لیے). راعنا نہ کہا کرو، بلکہ انظرنا کہو۔ (یعنی ہماری طرف دیکھئے) اور غور سے سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔
- اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو کافر ہیں وہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی اتاری جائے۔ حالانکہ اللہ جس کو چاہتا ہے، اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے
- ہم اپنے جس حکم کو منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا (کم از کم) اس کی مثل لے آتے ہیں، کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

- یا تجھے معلوم نہیں کہ زمین وآسمان کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔
- کیا تم بھی اپنے رسول سے اسی قسم کے سوال کرنا چاہتے ہو، جیسے پہلے (زمانہ میں) موسٰی علیہ السلام سے سوال کئے جاچکے ہیں، حالانکہ جس شخص نے ایمان کے بدلے کفر اختیار کیا وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔
- اہل کتاب میں سے اکثر لوگ اپنے دلوں کے بغض وحسد کی وجہ سے یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں لوٹا کر پھر کافر بنادیں اگرچہ حق ان پر واضح ہوچکا ہے (ان کے اس رویہ کے جواب میں) تم عفو ودرگزر سے کام لو، یہاں تک کہ اللہ تعالی اپنا حکم نافذ کردے بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔
- (فی الحال) تم نماز قائم رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اور بھلائی کا جو عمل اپنے فائدہ کے لیے آگے بھیجو، اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤگے، بے شک اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

## تفسیر وتشریح:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اس آیت میں مسلمانوں کو یہود کے مذموم اور ناپاک عزائم سے آگاہ کرنا مقصود ہے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کو بات سمجھنے کے لیے اور کوئی بات پوچھنے کے لیے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے راعنا یارسول اللہ کے الفاظ استعمال فرماتے تھے، جس کا معنی ہے، ہمارا خیال فرمائیے۔ یہود نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آکر یہی الفاظ کہے ان کے ذہن میں اس کا معنی محافظ کا ہوتا (قرطبیؒ) وہ موہم شرک الفاظ مسلمانوں میں پھیلانا چاہتے تھے، تاکہ ایسے الفاظ آنے والے زمانے میں سند اور دلیل بن جائیں یا یہود راعنا کے لفظ کو ذرا زبان دبا کر ادا کرتے یعنی راعینا جس کے معنی ہمارے چرواہا کے ہوتے ہیں، یا احمق کے معنی میں استعمال کرکے آپ کی توہین کے مرتکب ہوتے۔

اللہ نے فرمایا میرے نبی کی بات غور سے سنو تاکہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ رہے، اور اگر اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو، تو اُنْظُرْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ کہہ کر مخاطب کیا کرو۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

نسخ کے معنی شریعت میں ازالہ یا تبدیلی کے نہیں ہیں مغالطہ یہیں سے شروع ہوا کہ نسخ کو اردو کے معنی منسوخ کے مترادف سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ اصطلاح شریعت میں نسخ کے معنی کسی مطلق و غیر مقید حکم کو محدود اور مقید کر دینے کے ہیں۔

جیسے ایک ماہر طبیب اور ڈاکٹر مریض کے لیے ایک نسخہ تجویز کرتا ہے۔ اور ڈاکٹر کے ذہن میں ہوتا ہے کہ چند دن کے بعد میں نے نسخہ تبدیل کر دینا ہے اسی لیے نسخ کی گنجائش عقائد و کلیات اخلاق قصص ماضیہ اور اخبار غیب میں نہیں ہوتی صرف احکام میں ہوتی ہے

متقدمین علماء تقریباً پانچ صد آیات کو منسوخ مانتے ہیں علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بیس آیات نسخ کو تسلیم کیا ہے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صرف پانچ آیتوں کو منسوخ مانتے ہیں، باقی کی تاویل فرماتے ہیں۔ جبکہ مولانا حسین علی الوانیؒ نے ان پانچ آیتوں کا ایسا مفہوم بیان فرما دیا ہے کہ ایک آیت بھی کلیۃً منسوخ نہیں رہتی۔ اسی آیت میں ما ننسخ سے مراد ہے۔ راعنا کی جگہ انظرنا کا حکم دینا۔ احکام القرآن جصاص نے لکھا ہے کہ کچھ متاخرین علماء کا خیال ہے کہ شریعت محمدیہ کے احکام میں کوئی نسخ نہیں ہوا یہاں جو نسخ کا بیان ہوا اس سے مراد پہلے انبیاء کی شریعتوں کی منسوخی ہے۔ جنہیں قرآن نے اور شریعت محمدیہ نے منسوخ کر دیا، جس کی مدینہ کے یہود کو تکلیف تھی، کہ تورات کے بعض احکام کو قرآن نے کیوں اور کس کے لیے منسوخ کر دیا، اسی کا جواب دیا کہ اللہ ہر چیز پر قادر اور وہی زمین و آسمان کی ہر شئی کا مالک ہے، جو چاہے کرے اسے روکنے والا کون ہے؟

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ

یہ خطاب یا مسلمانوں سے ہے، یا منافقین یہود سے جو لایعنی اور غیر ضروری سوال کیا کرتے تھے

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ

اس کا تعلق وَلَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا سے ہے یعنی یہودی چاہتے ہیں کہ شرکیہ الفاظ رائج کر کے اور شرک پر مبنی مطالبات کر کے تمہیں دین توحید سے گمراہ اور مرتد کر دیں تو فی الحال اس وقت تک درگذر اور صبر سے کام لو اور اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہو جب تک ان لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم نہیں۔ (روح المعانی)

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ

گذشتہ آیات میں یہودیوں کو مباہلہ کا چیلنج دیا گیا، ان کے شبہات کے مسکت جواب دیئے گئے، ان کی خباثتوں سے پردے ہٹائے گئے، اس آیت میں ان کی ایک ناشائستہ اور ملمع سازی پر مبنی بات کو ذکر کرکے اس کا جواب دیا جارہا ہے، یہود و نصاریٰ جاہل عوام کو ورغلاتے کہ ہمارے ساتھ مل جاؤ، کیونکہ جنت میں صرف ہم نے ہی جانا ہے۔

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ان کا یہ دعویٰ غلط ہے جنت کا مستحق صرف وہ شخص ہے، جس نے ہر معاملے میں اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع کردیا ہے۔

تعلیم الحدیث

# مسلمان کا قتل

ادارہ

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ زَوَالُ الدُّنْیَا اَھْوَنُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ

**ترجمہ:**

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس پوری دنیا کی تباہی اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے ہلکی ہے"

**تشریح:**

اس حدیث سے یہ عظیم حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایک مسلمان شخص کی جان اللہ کے نزدیک کس قدر محترم ہے، کہ پوری دنیا کا زوال ایک مسلم کے قتل سے ہلکا اور معمولی بات ہے۔ قرآن حکیم نے اس عظیم حقیقت کا احساس اور زیادہ شدید انداز میں کرایا ہے قرآن کا ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا۔ (النساء:۹۳)

"اور جس شخص نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کیا، اس کی سزا جہنم ہے وہ ہمیشہ اس میں رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہے، اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت ترین عذاب تیار کر رکھا ہے"

مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر دینے کی جو ہولناک سزا یہاں قرآن میں بیان ہوئی ہے اسے پڑھ کر مسلمان کا دل لرز اٹھتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، مسلمان کا عمداً قتل اس قدر سنگین جرم ہے کہ اسکی سزا بعینہٖ وہی ہے جو دوسرے مقامات پر قرآن نے کٹر کافروں کے لیے بیان کی ہے، اس جرم کی سنگینی کی وجہ واضح ہے، ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ وہ اس کی جان کا احترام کرے اور اسے کوئی نقصان اور تکلیف نہ پہنچائے، قتل کر دینے کے معنی یہ ہوئے کہ اس نے اپنے مسلمان بھائی کا سب سے بڑا حق تلف کر دیا، اور یہ اس کے ساتھ سب سے بڑا ظلم ہے، اب اس ظلم کی تلافی اور اس

ہولناک غلطی کی اصلاح کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی، اس لئے کہ تلافی کی بات جس سے کی جاسکتی تھی وہ ہمیشہ کے لیے دنیا سے رخصت ہو چکا اور قاتل کی گردن پر بھیانک گناہ کا بوجہ باقی رہ گیا۔

ایک بار نبی ﷺ کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے، طواف کے دوران آپ کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کعبے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"کتنا پاکیزہ ہے تو اور کیسی خوشگوار ہے تیری فضاء، کتنا عظیم ہے تو اور کتنا محترم ہے تیرا مقام، مگر اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، ایک مسلمان کے جان و مال اور خون کا احترام تیری حرمت سے بھی زیادہ ہے"۔ (ابن ماجہ)

قرآن پاک کی یہ لرزہ خیز تنبیہ، وعید اور رسول کی یہ بصیرت افروز ہدایات اگر مسلمانوں کے سامنے رہیں تو مسلمان معاشرہ واقعی جنت کا گہوارہ بن جائے گا۔

ندائے حق

# نوجوان نسل اور ملک وقوم کی تعمیر وترقی

مدیر

جس طرح پاؤں آگ میں ڈالنے سے جل اور پانی میں رکھنے سے بھیگ جاتا ہے، سورج مشرق سے طلوع اور مغرب میں غروب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ قوموں کی تعمیر وترقی، حکومتوں کے عروج وزوال اور انقلابات زمانہ کے رونما ہونے میں نوجوانوں کا نا قابل فراموش حصہ ہوتا ہے۔ وہ اسلام کے ابتدائی دور کی فتوحات ہوں یا تیرہ صدیاں بعد اسلام کے نام پہ بننے والی مملکت خداداد پاکستان کی آزادی۔ وہ ایرانی انقلاب کا تذکرہ ہو یا مصطفیٰ کمال اتاترک کی تحریک آزادی۔ علم وفن کی جولان گاہوں کی بات کریں یا تہذیب وثقافت کی رفعتوں کی جانچ۔ ہر طرف جوانوں کا جنون نظر آتا ہے۔ کسی دانشور نے کیا پیاری تمثیل دی! نوجوانوں کی مثال آگ اور بوڑھوں کی، پانی کی سی ہے۔ جہاں کہیں نوجوانوں کا جذبہ و جوش اور بوڑھوں کا ہوش جمع ہو جائیں تو یہ سٹیم کی طرح زندگی کی گاڑی کو دھکیل کر منزل تک پہنچا دیا کرتے ہیں۔

عہد رفتہ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امت میں جتنے بھی نامور اور مشاہیر پیدا ہوئے، انہوں نے اپنے ماں باپ سے تربیت پائی اور جوانی ہی میں بہت بلند مقام پالیا۔

وہ نوجوان ہی تھے جنہوں نے خلافت فاروقی میں قیصر روم اور کسرائے ایران کا جڑ سے خاتمہ کر دیا تھا۔ ان دونوں سلطنتوں کی شوکت آج کی امریکہ اور برطانیہ کی طرح دلوں پھر دھاک جمائے بیٹھی تھی۔

ایرانی رستم کو ٹانگ سے پکڑ کر، نہر سے باہر نکال کر جس نے قتل کیا وہ "ہلال" نامی بہادر، حضرت عمرو بن العاصؓ کی فوج کا ایک نوجوان ہی تھا۔ حضور ﷺ کی وفات سے پہلے جو سب سے آخری لشکرِ اسلام روم کی جانب روانہ کیا گیا، اس کے ہونہار کمانڈر اسامہ بن زیدؓ اٹھارہ سالہ نوجوان تھے۔ محمد بن قاسم کو سندھ کے راجہ داہر کی سرکوبی کے لئے فوج کا چیف کمانڈر بنا کر بھیجا گیا۔ اس وقت ان ی عمر سترہ سال تھی۔ آج سترہ

سال کا بچہ گھر نہیں سنبھال سکتا۔ ان سترہ، اٹھارہ سال کے بچوں نے پوری فوج کو سنبھالا اور سینکڑوں میل تک دین اسلام کو پھیلا دیا۔

شیخ عبد القادر جیلانیؒ عین عالم شباب میں وقت کے بڑے شیخ بن چکے تھے۔ محبت الٰہی کے لاکھوں پیاسوں کو جام بھر بھر کر سیراب کرنے لگے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے ماں باپ سے اچھی تربیت پائی، پھر جوانی میں آسمان ہدایت پر ستارے بن کر چمکے۔ صرف یہی نہیں اور بھی بہت ساری مثالیں ہیں۔ "البیرونی" دسویں اور گیارہویں صدی کا مشہور ماہر فزکس اور فلکیات ہے۔ اس نے پاکستان کی ایک تحصیل "پنڈادان خان" کے قصبہ "نندنا" کے ٹیلے پر بیٹھ کر زمین کا محیط اور قطر اتنی درستگی کے ساتھ ناپ لیا کہ آج کے ترقی یافتہ اور بھرپور ٹیکنالوجی کے دور تک اس میں صرف 79 کلومیٹر کا فرق معلوم کیا جا سکا۔ بیسیوں کتابوں کے اس مصنف کی عمر صرف ستائیس سال تھی۔

قارئین کرام! دنیا کو مسلم نوجوانوں نے بہت کچھ دیا ہے۔ تہذیب و تمدن کی صورت میں، ثقافت و حضارت کے روپ میں، علم و فن کے رنگ میں اور تاریخ و جغرافیہ کے طور پر بھی۔ یہ چھٹی صدی ہجری کی بات ہے، جب آرام دہ جہاز تھے نہ فلک پرواز طیارے اور نہ ہی صبا رفتار موٹریں۔ ایک شخص مغرب اقصیٰ سے اٹھتا ہے اور ساری دنیا کا سفر کر ڈالتا ہے۔ اچکے لٹیروں کی لوٹ مار کا خوف آڑے آتا ہے نہ وحشی درندوں کی چیر پھاڑ کا ڈر۔ طوفانوں سے بغل گیری کا خدشہ اس کے پائے ثبات میں لغزش پیدا کر سکتا ہے نہ ہی بادشاہوں کا قہر۔ جب اس نے پچیس سالہ طویل اور صبر آزما سیاحت کا آغاز کیا تو وہ بائیس سالہ نوجوان تھا۔ دنیا اس کو "ابن بطوطہ" کے نام سے پہچانتی ہے۔

ماضی کی تابناکیوں سے تاریکیوں کے پردوں کو ذرا سرکا کر دیکھیئے تو جتنی بھی قد آور شخصیات ہیں، ان میں چند باتیں مشترک نظر آئیں گی:

وہ وقت کے بے انتہا قدردان تھے۔ دل کے سچے اور کردار کے سُچے تھے۔ انہوں نے ایک دن کیا، پوری زندگی گزارنے کا نظام الاوقات بنایا ہوا تھا۔ ان کے سامنے ان کا خاص مقصد اور منزل ہوتی تھی جس تک پہنچ جانا ہی زندگی کی آخری خواہش ہوا کرتی تھی۔ وہ نوجوان زندہ ضمیری کے ساتھ ساتھ درس خودی کو دل میں جاگزیں کر چکے ہوتے تھے، بقول علامہ اقبال ؎

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

لیکن آج کا نوجوان کل کے بوڑھے سے بھی نکما بلکہ مہا نکما ہو کر رہ گیا ہے۔ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہے۔ وقت ضائع کرنے میں بلا کا ماہر اور مشتاق ہو گیا ہے۔ موبائل فون پہ گھنٹوں بات کرنا معمولی سی بات ہے۔ انٹرنیٹ کی چیٹنگ پہ زندگی کے قیمتی لمحات برباد کرنا روزمرہ کے معمول میں داخل ہو گیا ہے۔

ذرا سوچیئے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے تو ہمیں ورثے میں عزت، عظمت، خودی، خود داری، حکومت و سلطنت اور سب سے بڑھ کر اسلام کی دولت عطا کی تھی، مگر افسوس! ہم نے اپنے اجداد کی اس میراث کو کھو دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم عظمت کی بلندیوں سے ذلت کی گہرائیوں میں جا گرے۔ "اندلس" جہاں آٹھ سو سال مسلمان حکومت کرتے رہے، جب مسلمان اپنے اسلاف کے راستے سے ہٹے تو وہاں ایسے رُسوا ہوئے کہ ان کا نام و نشاں تک مٹ گیا۔ برصغیر جو ہمارے اسلاف سے ہمیں ورثے میں ملا تھا۔

صد افسوس! ہم اس کی حفاظت نہ کر سکے اور ہزار سالہ حکومت کے بعد اسی ملک میں غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے۔

اب پاکستان، جو ہمارے اجداد نے خون کے دریاؤں میں غوطے لگا کر ورثے میں ہمیں دیا ہے۔ اس میں بھی ہم نے خانہ جنگیاں شروع کر رکھی ہیں۔ ہمارے نوجوان ناکارہ ہو گئے۔ چوکوں چوراہوں پر سگریٹ کے کش بھرتے، راہ گیروں کو پریشان کرتے اور بے تکے نعرے مارتے گھنٹوں برباد کر دیتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم سے یہ نعمت چھن جائے اور ہم کف افسوس ملتے رہ جائیں، ہمارے جوانوں کو اپنے بزرگوں کی اٹوٹ پیروی کرنی چاہیے، تعمیری سوچ پیدا کرنی چاہیے، دنیا میں آئے ہیں تو کچھ کر گزرنے کی دُھن ہونی چاہیے، اپنے دریا کی موجوں میں طوفان پیدا کرنا چاہیے، اپنی خودی کو مسلمان کرنا چاہیے، تقدیر سے شکوہ نہیں، تقدیر یزدان کو بنانا چاہیے۔ اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوہ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے

نگران مدیر

اصلاح عقائد و اعمال

# بدعات کیوں حرام ہیں ؟

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کے واسطے سے جو دین ہمیں عطا فرمایا ہے، وہ کامل اور مکمل دین ہے، جس کی صراحت قرآن کریم نے فرمائی ہے:

(اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ)

"آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت کو تمہارے اوپر کامل کر دیا"

لہٰذا کوئی بھی ایسا عمل جو حقیقت میں دین نہیں ہے، اور جو عمل حضور ﷺ کے زمانے میں نہیں تھا، اور حضور ﷺ نے اس کی تلقین نہیں فرمائی تھی اور قرآن کریم اور سنت میں اسکا حکم نہیں آیا، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی اجمعین نے اس کو اختیار نہیں کیا تھا، ایسے نئے عمل کو ہم دین کا حصہ سمجھ کر شروع کر دیں، اور اس عمل کو واجب، سنت یا ثواب قرار دیں، یا اس عمل کے ترک کرنے والے پر ملامت شروع کر دیں، یہ طرز عمل حضور ﷺ سے آگے بڑھنے کے مترادف ہے، اور اس کو بدعت کہا جاتا ہے۔

## جدید چیزوں کا استعمال جائز ہے:

دیکھئے! بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو حضور ﷺ کے عہد مبارک میں نہیں تھیں، نہ انکا رواج تھا، لیکن زمانے کے حالات کی تبدیلی کی وجہ سے وہ چیزیں وجود میں آئیں، اور لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔ مثلاً حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں بجلی نہیں تھی، آج ہمارا بجلی کے بغیر گزارا نہیں ہوتا۔ اس زمانے میں پنکھے نہیں تھے، آج ہمارا پنکھے کے بغیر گزارا نہیں ۔ اس زمانے میں گھوڑے اور اونٹوں پر سفر ہوتا تھا آج موٹروں کی بسوں کی ریلوں اور ہوائی جہازوں کی بھرمار ہے، ان کے بغیر گزارا نہیں۔ لیکن یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ کوئی ان کو دین کا حصہ نہیں سمجھتا، مثلاً کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ پنکھا چلانا سنت ہے، کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ بجلی جلانا واجب ہے، اور شرعی اعتبار سے ضروری ہے، کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ ریل میں سفر کرنا سنت یا واجب ہے۔ لہٰذا کوئی شخص ان چیزوں کو دین کا حصہ نہیں سمجھتا اور نہ اسے دین سمجھ کر کرتے ہیں، بلکہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئے نئے طریقے وجود میں آتے رہتے ہیں، اس لئے شریعت نے بھی ان پر کوئی پابندی نہیں لگائی، ان سب چیزوں کو استعمال کرنا شرعاً جائز ہے۔

## ہر بدعت گمراہی ہے:

لیکن کوئی نیا کام انسان اس خیال سے شروع کرے کہ یہ دین کا حصہ ہے، یا یہ سوچے کہ یہ کام واجب ہے، یا سنت ہے، یا فرض ہے، یا مستحب ہے، یا یہ ثواب کا کام ہے، حالانکہ وہ کام نہ تو حضور اقدس ﷺ نے کیا، نہ آپ نے اس کا حکم دیا، اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ کام کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے معاملے میں ہم حضور ﷺ سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ **استغفر اللّٰہ۔** شریعت میں اسی کا نام "بدعت" ہے۔ "بدعت" کے لفظی معنی ہیں "نئی چیز" لہٰذا لغت کے اعتبار سے تو یہ پنکھا بھی بدعت ہے، یہ بجلی بھی بدعت ہے، یہ ٹائلز اور ماربل بھی بدعت ہے یہ کاریں، یہ بسیں اور یہ ہوائی جہاز بھی بدعت ہے۔ لیکن شریعت کی اصطلاح میں "بدعت" اُس نئے کام کو کہا جاتا ہے جس کا حکم نہ قرآن کریم نے دیا ہو اور نہ ہی سنت سے اس کا ثبوت ہو، اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا ہو، اور نہ ہی اس کی تلقین کی ہو، ایسے کام کو شریعت کی اصطلاح میں "بدعت" کہا جاتا ہے۔ بدعت کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

ہر وہ نیا کام جو دین میں پہلے داخل نہیں تھا، اور نہ دین کا حصہ تھا، آج اس کو دین میں داخل کر دیا گیا، وہ ,,بدعت،، ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

## بدعت گمراہی کیوں ہے؟

"بدعت" گمراہی کیوں ہے؟ اس لئے کہ بدعت میں اگر غور کیا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ جو شخص بدعت کو اختیار کرنے والا ہے وہ حقیقت یہ سمجھتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے جو دین ہمیں دیا تھا وہ ادھورا اور ناقص تھا، آج میں نے اس میں اس عمل کا اضافہ کرکے اس کو مکمل کر دیا۔ گویا کہ آدمی عملی طور پر بدعت کے ذریعہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے نکل جاؤں۔ جو چیزیں دین میں داخل کی جاتی ہے بظاہر دیکھنے میں وہ ثواب کا کام معلوم ہوتی ہے، عبادت لگتی ہے لیکن چونکہ وہ عبادت اللہ اور رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہیں ہوتی، اس لئے وہ عبادت بدعت ہے اور بدعت گمراہی ہے۔ جتنی بدعات ہوتی ہیں ان میں براہ راست گناہ کا کام نہیں ہوتا لیکن چونکہ اس عمل کو کس اتھارٹی کے بغیر دین کے اندر شامل کر دیا گیا، اس عمل کے بارے میں ہمارے پاس قرآن کی

اور سنت کی کوئی اتھارٹی نہیں تھی، بلکہ ہم نے اپنی طرف سے اس کو دین میں داخل کر دیا، اس لئے وہ بدعت بن گئی۔

## ہم کوئی گناہ کا کام نہیں کر رہے:

اگر اس بدعت کرنے والے سے پوچھا جائے کہ بھائی تم جو عمل کر رہے ہو، اس کا نہ تو قرآن کریم میں کہیں ذکر ہے، نہ حدیث شریف میں اس کا کہیں ذکر ہے، یہ عمل تو بدعت ہے، یہ کیسے جائز ہو گیا؟ وہ لوگ جواب میں کہتے ہیں کہ کیا ہم کوئی گناہ کر رہے ہیں، یا ہم چوری ڈاکہ ڈال رہے ہیں؟ بلکہ ہم تو نیک کام کر رہے ہیں۔

## مغرب کی تین کے بجائے چار رکعت پڑھیں تو کیا نقصان؟

خوب سمجھ لیجئے کہ کوئی بھی عبادت اس وقت تک عبادت کہلانے کی مستحق نہیں جب تک اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے اس کی سند موجود نہ ہو، ورنہ وہ عبادت بدعت ہے، اس کی مثال یوں سمجھیں کہ اللہ تعالی نے ہم پر پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں، اور ہر نماز کی رکعتوں کی تعداد متعین فرمائی ہے کہ فجر میں دو رکعت فرض پڑھو اور ظہر، عصر اور عشاء میں چار چار رکعت فرض پڑھو، اور مغرب میں تین رکعت پڑھو۔ اب اگر کوئی آدمی یہ سوچے کہ یہ تین رکعتوں کی تعداد تو اچھی معلوم نہیں ہوتی لہٰذا مغرب میں تین کے بجائے چار رکعت پڑھوں گا، اب اگر کوئی شخص مغرب کی تین رکعت کی بجائے چار رکعت پڑھ لے، تو اس نے تو ایک رکعت زیادہ پڑھ لی، اس میں اللہ تعالی کی حمد و ثناء کی ایک رکوع زیادہ کیا، دو سجدے زیادہ کیے اور اس میں اللہ تعالی کی تسبیح زیادہ کی، لیکن اس شخص نے یہ جو چوتھی رکعت اپنی طرف سے زیادہ پڑھ لی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ثواب زیادہ ملنے کے بجائے یہ ایک رکعت پہلی تین رکعتوں کو بھی لے ڈوبے گی، اور اس کی نماز نہیں ہوگی اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے مغرب کی نماز کا جو طریقہ بتایا گیا تھا، اس طریقہ سے ہٹ کر اس نے اپنے طریقے پر نماز پڑھ لی اور اس طریقہ کو دین کا حصہ سمجھ کر اس کو دین میں داخل کر لیا، اسی کا نام "بدعت" ہے۔

## افطار کرنے میں جلدی کیوں؟:

یاد رکھئے! دین نام ہے اس بات کا کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جس کام کا جس درجہ میں حکم دیا ہے، بس اسی درجہ میں اسکی اتباع کی جائے، اس پر عمل کیا جائے اگر اس سے آگے یا پیچھے ہٹو گے تو وہ

دین نہیں۔اگر دین سمجھ کر اس کو اختیار کر رہے ہو تو وہ "بدعت" ہے جیسے رمضان میں ہم روزہ رکھتے ہیں ،روزے کے لئے صبح سحری کھاتے ہیں ،سارا دن بھوکے رہتے ہیں اور جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے توافطار کر لیتے ہیں۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہو جائے توافطار کرنے میں جلدی کرو،افطار کرنے میں دیر مت کرو،اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افطار کرنے میں جلدی کیوں کریں؟جب دن بھر اللہ کے لیے بھوکے پیاسے رہے تواب اگر ایک گھنٹہ مزید بھوکے پیاسے رہ جائیں گے تواس میں کیا قیامت آجائے گی ؟اور کیا خرابی پیدا ہو جائے گی؟ بظاہر تواس میں کوئی گناہ کی بات نظر نہیں آتی۔لیکن نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ آفتاب غروب ہوتے ہی جلد از جلد افطار کرو،اور کچھ کھاپی لو۔

اس لئے کہ اللہ کا حکم یہ تھا کہ تمہیں آفتاب کے غروب ہونے تک بھوکا رہنا ہے،اب آفتاب غروب ہونے کے بعد روزہ نہیں ہے، اب اگر تم اس روزے کو آگے بڑھاؤ گے اور یہ سوچو گے کہ ایک گھنٹے کے بعد افطار کروں گا تواس کا مطلب یہ ہے کہ روزے کی جو میعاد اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے مقرر کی تھی اس میں تم نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا،یہ اتباع نہیں ہوئی اور اتباع تو یہ ہے کہ جب وہ کہیں کہ مت کھاؤ،تو نہ کھانا عبادت ہے،اور جب کہیں کہ کھاؤ تواب کھانا واجب ہے،اگر نہیں کھاؤ گے تو گنہگار ہو گے۔

## عید کے دن روزہ رکھنے پر گناہ کیوں؟:

یا مثلاً روزہ رکھتے ہوئے رمضان کا پورا مہینہ گزر گیا،اور روزے رکھنے کی اتنی فضیلت ہے کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھے،اللہ تعالی اسکے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیتے ہیں،اور روزے کی یہ فضیلت ہے کہ روہ رکھنے کے وجہ سے اس کے منہ سے جو بو آرہی ہے،اللہ تعالی کو وہ مشک و عنبر سے زیادہ پسندیدہ ہے لیکن جب عید کا دن آگیا تواب اگر کسی نے روزہ رکھ لیا تو وہی روزہ جو رمضان میں بڑے اجر و ثواب کا موجب تھا،اب الٹا عذاب کا موجب بن جائے گا،حالانکہ اگر کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھ لے تو بظاہر تو کوئی گناہ نظر نہیں آتا، کیونکہ وہ روزہ رکھ کر ایک عبادت ہی انجام دے رہا ہے لیکن چونکہ وہ شخص اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف عبادت کر رہا ہے لہٰذا وہ عبادت نہیں،بلکہ وہ گناہ ہے،اس پر عذاب ہوگا،تو دین نام ہے "اتباع" کا۔اب اگر کوئی شخص دین میں کوئی نیا طریقہ جاری کرکے اس کا نام "عبادت" رکھ دے، اور اگر کوئی شخص اس پر عمل نہ کرے تواس پر لعنت وملامت کرے،اور یہ کہے کہ یہ شخص بے دین ہے ،یہ طرز عمل اس کو "بدعت" بنادیتا ہے،اور بدعت ہونے کے

نتیجے میں وہ ثواب کا کام ہونے کے بجائے الٹا گناہ کا کام بن جاتا ہے، اس لئے کہ وہ شخص دین میں اپنی طرف سے اضافہ کرکے گویا کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے، جبکہ قرآن کریم کا حکم یہ ہے: ((يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ))

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو، جس حد پر انہوں نے رہنے کے لئے کہا ہے، اسی حد پر رہو، اللہ سے آگے نہ بڑھو، اگر آگے بڑھو گے تو تم بدعت کے مرتکب ہو گے۔

## سفر میں چار رکعت پڑھنا گناہ کیوں؟:

سفر کی حالت میں اللہ تعالی نے رکعتوں کی تعداد کم فرمادی اور یہ حکم دیا کہ شرعی سفر کے دوران چار فرضوں کے بجائے دو فرض پڑھو۔ اب اگر کوئی آدمی یہ سوچے کہ اللہ تعالی نے بیشک میرے لیے رکعتوں کی تعداد میں کمی کردی ہے لیکن میرا دل نہیں مان رہا ہے، میں تو پوری رکعات ہی پڑھوں گا، ایسا کرنا اس کے لیے جائز نہیں، حالانکہ اگر وہ شخص دو رکعتیں زائد پڑھ رہا ہے تو وہ کوئی گناہ نہیں کر رہا ہے، بلکہ اللہ تعالی کی عبادت میں اضافہ کر رہا ہے، لیکن چونکہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے خلاف عبادت کر رہا ہے، اس وجہ سے ناجائز اور گناہ ہے، اور اللہ تعالی کے یہاں اس پر پکڑ ہو جائے گی کہ ہم نے تم سے دو رکعتیں پڑھنے کو کہا تھا، تم نے چار کیوں پڑھیں؟ معلوم ہوا کہ دین نام ہے,, اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع،، کا وہ جب کم پڑھنے کا حکم دیں تو کم پڑھو، وہ جب زیادہ کا حکم دیں تو زیادہ پڑھو، لیکن اپنی طرف سے اس کے اندر کمی زیادتی تمہارے لئے جائز نہیں۔

یہ نکتہ اس لئے سمجھنا ضروری ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں بے شمار طریقے دین کے نام پر جاری کر دیئے گئے ہیں اور اس طرح جاری کر دیے گئے ہیں گویا کہ وہ دین کا لازمی حصہ ہیں، اگر کوئی شخص وہ کام نہ کرے تو وہ ملامتی ہے، اس پر لعنت وملامت کی جاتی ہے، اس پر طعن و تشنیع کی جاتی ہے، اس کو برا سمجھا جاتا ہے، اور اس کو ایک طرح سے مسلمانوں کی برادری سے خارج سمجھا جاتا ہے۔

وہ تمام طریقے جو حضور اقدس ﷺ سے ثابت نہیں ہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے ثابت نہیں ہیں، اوران کو دین کا حصہ بنایا گیا ہے، وہ سب "بدعات" فہرست میں شامل ہیں اور یہ آیت کریمہ جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی یہ ان کی ممانعت کر رہی ہے، کہ اللہ تعالی اوراس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔

تعمیر فکر و کردار

# وقت کی قدر و قیمت

مصطفیٰ محمد طحان
ترجمہ: عبدالحمید اطہر

## وقت ہی زندگی ہے:

جس طرح زندگی کی قیمت کا اندازہ کرنا اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے، اسی طرح وقت کی قدر و قیمت کو جاننا بھی اس سے فائدہ اٹھانے کی طرف پہلا قدم ہے۔

کاموں میں مشغول شخص جو اپنے وقت کو صحیح استعمال کرنے کا حریص رہتا ہے اور اپنی ڈائری میں کام کے اوقات کو تحریر کرتا ہے وہی کہہ سکتا ہے کہ آج فلاں وقت یہ کام ہے، کل فلاں وقت یہ کام ہے، گذشتہ مہینہ فلاں وقت میں نے یہ کام کیا، آئندہ سال اس دن یہ کام کروں گا، یہ اپنے وقت کے صحیح استعمال کرنے کے حریص اور منظم آدمی کے لیے ہی ممکن ہے، کیونکہ وقت کی حیثیت اور اہمیت اس کے نزدیک تجارت، کمائی اور مال کی طرح ہی ہوتی ہے۔

اس کے پاس وقت منٹوں کے اعتبار سے متعین رہتا ہے، اور اس کا التزام وہ فرض سمجھتا ہے، اگر اس کا التزام نہیں کرتا تو وہ فہم و ادراک رکھنے والا مسلمان نہیں ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (النساء:۱۰۳)

"نماز مسلمانوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے"۔

وقت اس کے نزدیک تجارت، کمائی اور مال ہی نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک وقت عین زندگی ہے، اور ایمان کے سایہ میں زندگی نعمت ہے، بلکہ وہ عظیم نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ط۔ (الانعام:۱۲۲)

"کیا وہ شخص جو مرا ہوا تھا تو ہم نے اس کو زندگی دی اور ہم نے اس کو نور دیا جس (کی روشنی میں) وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں ہے اور وہ اس سے نکل نہیں سکتا"۔

یہ عقیدہ دل میں پژمردگی کے بعد زندگی پیدا کرتا ہے اور تاریکیوں کے بعد نور عطا کرتا ہے، ایسی زندگی جس سے ہر چیز کا صحیح ذوق، تصور اور اندازہ دوسری حس میں تبدیل ہو جاتا ہے جس کو وہ اس زندگی سے پہلے جانتا ہی نہیں تھا، اور ایسی روشنی جس کی کرنوں میں ہر چیز نئی نظر آتی ہے۔

تاریخ اسلامی کے مصلحین اور مجددین جنہوں نے امت کو غفلت سے بیدار کیا کے تمام کاموں کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی نبض کو زندگی کی نبض کے ساتھ ملا دیا تھا، ان کے بیدار ہونے کی وجہ سے زندگی بھی بیدار ہو گئی تھی، ہم نے معاصر داعیان دین کی سیرت میں پڑھا ہے کہ وہ کیسے دن رات محنت اور جہد مسلسل کرتے تھے، اسی طریقہ سے انہوں نے ایک ساتھ تدریس و تعلیم اور دعوت امت کی قیادت کا کام انجام دیا۔

امام حسن البنا شہیدؒ اپنی دس وصیتوں میں فرماتے ہیں:

قرآن کی تلاوت کرو یا کسی کتاب کا مطالعہ کرو یا کچھ سنو، بہر حال اپنے وقت کا کوئی حصہ بے فائدہ صرف نہ کرو۔

ذمہ داریاں اوقات سے زیادہ ہیں، دوسرے کے ساتھ ان کے وقت سے فائدہ اٹھانے کے لیے تعاون کرو، اگر تمہارے پاس کوئی کام ہو تو اس کو کم سے کم وقت میں پورا کرو۔ وقت ان جیسے لوگوں کے نزدیک عین زندگی ہے۔

## قوموں کی ترقی کا میزان:

وقت کی پابندی اور زمانہ کی قیمت کا اندازہ کرنا قوموں کی ترقی یا پستی کا اہم عنصر ہے:

جب تم کسی ایسی قوم کو دیکھو جس کے نوجوان اور بوڑھے راستوں پر یا چائے خانوں میں بے مقصد پھر رہے ہیں، وہ جانتے نہیں کہ وہ کیوں پیدا کیے گئے ہیں، وہ کیا کر رہے ہیں، جب ان کو بھوک ستاتی ہے تو وہ جہاں کھانا ملتا ہے چلے جاتے ہیں، ان کے دن، رات اور صبح و شام میں کوئی فرق نہیں، وہ اپنا کوئی مقصد نہیں جانتے، وہ زمانہ میں در بدر بھٹکتے رہتے ہیں، ایسے لوگ تم سے کہہ نہیں سکتے کہ ہم یہاں کیوں ہیں یا وہاں کیوں۔ جب تمہاری نظر ایسی قوم پر پڑے تو جان لو کہ یہ مردہ قوم ہے، اس میں کوئی زندگی نہیں، یہ بد حالوں کی قوم ہے۔

جب میں بعض غریب ملکوں میں گیا تو مجھے وہاں کے باشندے ایسے ہی ملے، تحقیق اور غور و فکر کے بعد معلوم ہوا کہ استعمار نے ان پر اور ان ملکوں پر ایک طویل مدت تک حکومت کی ہے، استعمار ہی نے ان میں (بندوں پر) "توکل" یعنی ایک دوسرے پر بھروسہ کی بیماری پیدا کی ہے اور ان کو حقیقت سے نکال کر صورت میں تبدیل کر دیا ہے، ان کی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ وہ کھائیں اور مال بڑھائیں، اس سے بھی آگے بڑھ کر اگر ان کو ظالم استعمار کسی کام کا مکلف کرتا ہے تو وہ اس کو اس مشین کی طرح انجام دیتے ہیں جو اپنے مقصد اور ہدف سے واقف نہیں رہتی بلکہ وہ آپریٹر کے چلانے کے مطابق چلتی ہے، اس بدترین طریقہ کار کے ذریعہ استعمار ان کو سلانے میں کامیاب ہو گیا، وہ ان ملکوں پر قابض ہے، ان کے خزانوں کو لوٹ رہا ہے، ان کی پیداوار کو اینٹھ رہا ہے، ان کی عقلوں کو معطل کر رہا ہے اور ان کے طریقہ زندگی کو منجمد کر رہا ہے، یہ لوگ جو استعمار چاہتا ہے پہنتے ہیں، اس کے راستے پر چلتے ہیں اور ان ہی کے فراہم کردہ اقدار و قیم کی تعریف کرتے ہیں کہ استعمار ہی کی بدولت یہ سب کچھ ہمارے لیے مسخر ہیں اور ان کی زندگی کے کام آسان ہو گئے ہیں۔

جب میں بعض ملکوں کے پناہ گزین کیمپوں میں گیا تو میں نے وہاں کیا دیکھا؟

میں نے پناہ گزینوں کو اپنے کیمپوں اور خیموں میں موت کا انتظار کرتے دیکھا، میں نے ان کو ہموار سر زمین پر بیکار پڑے ہوئے دیکھا، نہر نیل ان سے قریب ہی ہے، میں نے اپنے دل میں کہا: اگر یہ لوگ ذرا بھی حرکت کریں اور اپنی تمام جہالت اور وسائل کی کمی کے باوجود نہر نیل سے تھوڑا سا پانی نکال کر اس زمین پر ڈال دیں جس کی مسافت دس میٹر مربع سے بھی زیادہ نہیں ہے اور کچھ اگانے کی کوشش کریں تو یہ لوگ بھوک سے نہیں مریں گے، اگر حکومت ہی ان لوگوں کو کیمپوں میں بیکار بٹھا کر دوسری قوموں سے ان کے نام پر بھیک مانگنے کے بجائے انتاج اور پیداوار کی طرف ان کی رہنمائی کرے، تو یہ زمین میں کچھ نہ کچھ اگا کر کھا سکتے ہیں، اگر ان لوگوں میں اسلامی شعور و احساس ہوتا تو یوں بیکار بیٹھ کر موت کے انتظار پر راضی ہوتے، کاش وہ ان ہی جیسے ایک صحابی کو نبی کریم ﷺ کی طرف سے دی گئی رہنمائی کو یاد کرتے:

"اگر تم میں سے کوئی رسیاں لے اور پہاڑ پر جا کر لکڑیاں چنے، یہ اس کے لیے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے، لوگ اس کو دیں یا منع کریں"۔

اور وہ خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات سمجھتے، آپ نے فرمایا:

"میں کسی آدمی کو دیکھتا ہوں تو مجھے پسند آتا ہے لیکن جب مجھے بتایا جاتا ہے کہ وہ کوئی کام نہیں کرتا تو وہ میری نگاہوں سے گر جاتا ہے"۔

رقبہ اور آبادی کے اعتبار سے بعض چھوٹے یورپی ملکوں نے اپنے باشندوں کی بلند ہمتی کی وجہ سے وسائل کی کمی کے باوجود انتاج و پیداوار اور نت نئی چیزوں کے ایجاد میں کامیابی حاصل کی ہے، انہوں نے اپنی سرزمین میں غلہ اگایا، جب زمین تنگ ہو گئی تو انہوں نے سمندروں کو پاٹ کر کھیتی کی اور دوسرے ملکوں کو برآمد کیا، انہوں نے صنعتیں اور ہتھیار بنائے اور عالمی بازاروں میں دوسروں کا مقابلہ کیا۔

کیا کوئی یہ گمان کر سکتا ہے کہ انہوں نے اپنا وقت ضائع کیا اور اپنی زندگی بیکار گزار دی؟؟

یا انہوں نے اپنی تجارت اور کاموں سے احتراز کیا۔ اپنے اوقات کا احترام کیا تو وہ چھا گئے اور انہوں نے ترقی کی۔

ترقی تہذیبی اور ثقافتی خواہش کا نام ہے، جو اس خواہش اور ارادہ کا مالک ہوتا ہے وہ ترقی کرتا ہے، استعمار کسی ایسے علاقہ پر قبضہ کر ہی نہیں سکتا جہاں کے باشندے اس کو قبول نہ کرتے ہوں، اس کی بہت سی مثالیں ہیں، کتنی ہی بڑی حکومتیں ہیں جنہوں نے چھوٹے ملکوں پر قبضہ کیا لیکن جب وہاں کے باشندوں نے ان حکومتوں کو ٹھکرا دیا تو وہ اپنا قبضہ باقی نہیں رکھ سکے اور راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

کوئی بھی قوم دوسری قوم کو پستی اور تخلف کے غار میں دھکیل نہیں سکتی' چاہے وہ اس کا بائیکاٹ کرے اور اپنی مصنوعات وہاں برآمد کرنا یا وہاں کی مصنوعات اپنے یہاں درآمد کرنا بند ہی کیوں نہ کرے، کیونکہ قوم کا جذبہ ہر بائیکاٹ کا بدل ہوتا ہے۔

ظالم حکومت، بدترین منصوبے اور پروگرام، درآمدی مناہج تعلیم، نوجوانوں کا قتل و خون، لوگوں کی جلاوطنی اور اس کے علاوہ ذہن میں آنے والی ہر قسم کی ظلم و زیادتی اور جور و ستم کسی بھی قوم کو تباہ و برباد نہیں کر سکتی یا پستی و زوال کے قافلہ میں شامل نہیں کر سکتی اگر خود وہ قوم اپنے اس انجام پر راضی نہ ہو۔

مکہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی، مادی وسائل مفقود تھے، ان کا محاصرہ کیا جا رہا تھا، ہر طرف سے دھتکارا جا رہا تھا، سزائیں دی جا رہی تھیں یہاں تک کہ موت کے گھاٹ بھی اتارا جا رہا تھا، ان کے خلاف پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا، اخیر

میں ان کو گھروں سے بے گھر کیا جاتا ہے اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کیا جاتا ہے، ان سب کے باوجود مسلمان اپنی حکومت قائم کرنے اور اپنے دشمنوں بلکہ انسانیت و زندگی کے دشمنوں پر غالب آنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، ان کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہیں بنتی، یہ حکومت اس وقت دنیا کی تمام حکومتوں کے لیے اعلیٰ نمونہ تھی، ان کے پاس تبدیلی اور ترقی کا ارادہ اور جذبہ تاریکی و پستی کے ارادہ سے کئی گنا زیادہ طاقتور تھا۔

کیا کوئی یہ گمان کر سکتا ہے کہ چند سو مسلمانوں نے اپنا وقت برباد کر کے اور خوابوں کی دنیا سجا کر اتنی بڑی بڑی فتوحات رقم کیں یا انہوں نے اپنی عمروں کا سیکنڈوں میں حساب رکھا تھا اور ہر سیکنڈ کو اس کا مقام عطا کیا تھا اور وہ رحمن آقا کا قول دہرا رہے تھے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ۔

(آل عمران:۱۹۰)

"آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور دن رات کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لیے نشانیاں ہیں"۔

دن رات کا آنا جانا ہی زمانہ ہے، اور عقل مند وہ مسلمان ہیں جو اپنے اپنے معاشرہ اور پوری انسانیت کے مفاد کے لیے اس زمانہ کو استعمال کرے۔

وہ مسلمان جن پر تاتاریوں نے حملہ کیا عظیم قوت کے مالک تھے، ان کی بہت بڑی حکومت تھی، ان کے پاس بہت بڑا لشکر، وسیع سرزمین اور بے انتہا وسائل تھے، کیا یہ مسلمان پہلی قسم کے تھے یا معاملہ دوسرا تھا؟

نام یکساں ہیں، لیکن ارادے مختلف ہیں، وہاں مسلمان وقت اور اس کے اصولوں کو منضبط کرتے ہوئے تبدیلی کے ارادہ کے مالک تھے، اور آج وہ لوگوں کا ایک ایسا گروہ ہیں جنہوں نے اپنے ارادوں کو کھو دیا ہے، ان کے نزدیک رات اور دن یکساں ہیں، جب ان پر تاتاریوں نے اچانک حملہ کیا تو ان کی بات بچوں کی باتوں سے زیادتی اہم نہیں تھی، انہوں نے کہا کہ کیا کوئی مسلمانوں پر حملہ کر سکتا ہے؟

مہذب انسان جو اپنے نفس اور اپنے وقت کی قیمت جانتا ہے وہ حیرت انگیز کارنامے انجام دیتا ہے اور زمانہ کو اپنی مٹھی میں کرتا ہے، جاپان تھوڑی ہی مدت میں اپنی گوشہ نشینی اور گمنامی سے نکل کر سب سے زیادہ ترقی یافتہ صنعتی ملک بن جاتا ہے، وہ بیداری کا راستہ صرف دس سالوں میں طے کرتا ہے، اس سے زیادہ نہیں، جب کہ اسی راستہ پر یورپ ایک صدی سے چلتا آرہا ہے۔ کیا کوئی اس بات کی توقع کر سکتا ہے کہ جاپان کے لوگ سو رہے تھے اور

خواب خرگوش میں مدہوش تھے یا انہوں نے دن رات محنت کی اور اپنی عمر کے ہر منٹ سے استفادہ کیا، جس کے نتیجہ میں انہوں نے اپنے ملک کو آباد کیا اور اپنی قوم کی شان بڑھائی۔

اگر جاپان والے یہ کر سکتے ہیں تو کیا مسلمان نہیں کر سکتے؟ حالانکہ مسلمان تمام اسباب و وسائل کے مالک ہیں، ان کے پاس سرسبز و شاداب زمین ہے، تعداد بھی زیادہ ہے، بے انتہا دولت ہے، تہذیبی و ثقافتی تجربہ بھی ہے، تجربات کا ذخیرہ ہے اور سب سے بڑھ کر ربانی طریقہ کار بھی ہے:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ نِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔ (الملک:۱،۲)

"وہ ذات بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں حکومت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، جس نے موت و حیات کو پیدا کیا ہے تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون نیک عمل کرتا ہے، وہ بڑا زبردست اور بڑا مغفرت کرنے والا ہے"۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے بیان فرماتے ہیں:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں یہ بات بھی ہے کہ عقل مند آدمی کے لیے، جب کہ اس کی عقل کام کرے، لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات اس طرح تقسیم کرے کہ اس میں کچھ گھڑیاں ایسی ہوں کہ ان میں اپنے رب سے مناجات کرے، کچھ گھڑیاں ایسی ہوں کہ ان میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ایک گھڑی ایسی بھی ہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی شان صناعی میں غور کرے اور ایک گھڑی ایسی بھی کہ اس میں اپنی ضروریات خورد و نوش کے لیے فارغ ہو۔" (صحیح ابن حبان)

یہ ایک طویل حدیث کا کچھ حصہ ہے، جس میں اپنی تربیت، تزکیہ اور کامیاب زندگی گزارنے کے لیے اپنے وقت کو صحیح استعمال کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اسی کو وقت کی منصوبہ بندی کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اوقات کی منصوبہ بندی کے لیے بنیادی ہدایات دیں اور فرد کو اپنی شخصیت کی تعمیر کے لیے جن بنیادی امور کی ضرورت ہے ان کی طرف اشارہ کر دیا۔ آیاتِ الٰہی میں غور و فکر، محاسبۂ نفس اور دعا، یہ تینوں امور اگر شعوری طور پر ہوں، وقت مختص کر کے ان کا التزام کیا جائے تو لازماً زندگی بہتر ہو جائے گی اور ہر آنے والا دن گزرے دن سے بہتر ہو گا۔

## وقت

ہر شخص کے پاس وقت کے چوبیس گھنٹے ہیں۔ اب آپ پر منحصر ہے کتنے وقت کو قیمتی بنا سکتے ہیں۔
جن لوگوں کے پاس وقت پرکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے، وہ ہمیشہ اس کے ایک ایک لمحے سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے کامیابی و کامرانی کی منزلیں طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

تزکیہ وتربیت

# صحبتِ صالح

انور غازی

کہتے ہیں محبت اگر خدا سے ہو تو بندگی بن جاتی ہے، محبت اگر مذہب سے ہو تو ایمان بن جاتی ہے، محبت اگر شریکِ حیات سے ہو تو زندگی بن جاتی ہے، محبت اگر دولت سے ہو تو فکر بن جاتی ہے۔ محبت ہے کیا چیز؟ آیئے! اس پر بات کرتے ہیں۔ یہ جاننا اور سمجھنا ضروری ہے کہ آیا محبت کوئی خوش نما لفظ ہے یا کسی عمل کا ردعمل ہے؟ محبت دراصل معاشرتی معاہدے کا ایک جز ہے جس پر عمل پیرا ہونے والے کامیاب کہلائے جاسکتے ہیں۔ محبت کو کسی فطرت کے حصے کے طور پر نہیں لیا جاسکتا، بلکہ محبت کا احساس وجذبہ مکافات عمل سے ہے جس میں عمل کے ردعمل میں جذبے پیدا ہوتے ہیں۔

محبت کرنے اور چاہنے کی خواہش از خود پیدا کردہ نہیں ہے، بلکہ جہاں زندگی کی نمو ہے وہاں فطرت کے دیگر تقاضوں کی طرح بنی نوع انسان کے علاوہ چرند، پرند، درخت، پانی، ہوا، آگ میں قدرت نے تقاضوں کو پابند کر دیا ہے کہ اسے چاہنے کی خواہش اور صلاحیت کیا معنی رکھتی ہے؟ آگ سے محبت رکھنے والا، اس سے پرستش کی حد تک محبت وعقیدت رکھتا ہے لیکن آگ کی فطرت میں محبت نہیں بلکہ جلانا ہے۔ اسے خود سے محبت کرنے والے کے جذبات کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ آگ کے آگے ہاتھ جوڑنے والا جب آگ میں ہاتھ ڈالے گا تو اس کا انجام جلنا ہی نکلے گا۔ ہوا میں زندگی کی نمود ہے، لیکن انسان کے چاہنے اور مسخر کرنے کے باوجود اس کی مقررہ فطرت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح پانی میں بھی زندگی کی نمود ہے، لیکن چاہے جانے کی خواہش اس کی فطرت میں نہیں ہے۔ پانی کو ماں کا درجہ دینے والے، اگر پانی میں زیادہ سانس روکیں تو نتیجہ موت ہے۔

ہر زندہ چیز میں محبت کے جذبے اور صلاحیت کو تلاش کرنا ممکن نہیں ہے۔ آگ، ہوا، پانی، زمین، ستارے کی طرح لاتعداد اجزا ہیں جس میں زندگی کی نمود ہے، لیکن اختیار کی صلاحیت نہ ہونے کے سبب محبت کے جذبے کو ان میں تلاش نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح جانوروں میں محبت کا جذبہ اختیاری نہیں بلکہ متعین ہے، صنف مخالف سے اپنی خواہشات کی تکمیل یا قدرت کے متعین کردہ اصولوں کو پورا کرنا محبت نہیں کہلایا جاسکتا۔

اسی طرح جانوروں کا انسانوں سے محبت کرنے کا کوئی تصور نہیں، بلکہ یہ عادات ہیں جو انسان اپنے طریقوں سے تبدیل کرادیتا ہے، لہذا اس ضمن میں تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ محبت کا یہ جذبہ صرف انسانوں تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ ہر زندہ چیز میں محبت کرنے اور چاہے جانے کی خواہش اور صلاحیت ہوتی ہے۔

انسان کیونکہ ایک سماجی جانور کہلاتا ہے، اس لئے وہ اس ماحول میں خود کو جلد ڈھال لیتا ہے، جس میں وہ رہ رہا ہوتا ہے۔ ماہر سماجیات نے انسان پر مختلف تجربات میں یہ ثابت کیا ہے اگر انسان کو کسی جانور کی صحبت میں پرورش دی جائے تو وہ جانوروں، حیوانوں کی طرح عادات و اطوار اختیار کرلے گا۔ اس سے معلوم ہوا صحبت کا عادات و اطوار پر واضح اثر پڑتا ہے۔

مشہور ہے کہ ایک بھنگی چلا جارہا تھا۔ چلتے چلتے وہ عطر فروشوں کے محلے میں داخل ہوگیا۔ بس عطر فروشوں کے محلے میں داخل ہونے کی دیر تھی لہراتا ہوا زمین پر آگیا۔ وہ بے ہوش ہوچکا تھا۔ آس پاس کے لوگ بھاگے چلے آئے۔ بڑا ہلایا جلایا۔ کوئی پانی کے چھینٹے مار رہا ہے تو کوئی طرح طرح کی خوشبوئیں سونگھانے میں مصروف ہے، لیکن بھنگی ہے کہ ہوش میں آکے ہی نہیں دے رہا۔

آخر کار بات اڑتی اڑتی بھنگی کی برادری کے ایک شخص تک جا پہنچی۔ وہ دوڑا دوڑا آیا۔ بھنگی کے اوپر جھکا۔ جیب سے ایک پوٹلی چھپا کر نکالی، اور اس کی ناک سے لگادی۔ پوٹلی کا لگنا تھا کہ بیہوش بھنگی نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور کھڑا ہوگیا۔

اب دونوں بھنگیوں کے علاوہ مجمع میں کھڑا ہر شخص حیران و پریشان تھا۔ نجانے اس پوٹلی میں حکیم لقمان کا کونسا ایسا سفوف ہے جو اس قدر زوردار اثر ہے۔ آخر لوگوں نے پوٹلی لانے والے بھنگی سے پوچھا۔ پہلے تو اس نے ٹال مٹول کی، لیکن لوگوں کے حد درجہ اصرار پر اس نے بتایا۔

یہ بھنگی پہلی دفعہ عطر فروشوں کے محلے میں آیا ہے۔ اس کی پوری زندگی تو کہیں اور ہی گزری ہے۔ اس کی سانسوں میں اس کے پیشہ والی "خوشبو" رچ بس گئی ہے۔ اس میں ہم لوگوں کو راحت ہے، اسی میں سکوں ہے۔ دراصل اس سے یہ آپ لوگوں کے محلے کی "بدبو" برداشت نہیں ہوئی تو بیہوش ہوگیا۔ میں تو بس ایک پوٹلی میں اس کے لئے "خوشبو" کا انتظام کرکے لایا تھا۔ بس وہ سونگھتے ہی یہ ہشاش بشاش ہوگیا۔۔۔۔!!

سچ کہتے ہیں جو شخص جیسی صحبت میں رہتا ہے، جیسی صحبت اختیار کرتا ہے، دھیرے دھیرے ایسا ہی بن جاتا ہے۔ نیک عمل کی توفیق نیک صحبت ہی سے ملتی ہے۔ صالحین اور متقین کی معیت اور ان سے تعلق و محبت رکھنے کے بے شمار فوائد ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

ایک فائدہ یہ ہے جو شخص نیک اور صالحین کے پاس بیٹھتا ہے، اس کو وہ برکات حاصل ہوتی ہیں جو ان پاکیزہ کردار والوں پر اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں۔ اگرچہ اس کا عمل ان جیسا نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بنا کر فرماتے ہیں: "میں نے ان سب اہلِ مجلس کی مغفرت کر دی تو ایک فرشتہ کہتا ہے یا اللہ! ان میں فلاں شخص بھی تھا جو نہایت گناہ گار آدمی ہے وہ تو یونہی ان کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ اللہ فرماتے ہیں میں نے اس کو بھی مغفرت کر دی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے والا محروم نہیں ہوتا۔" (بخاری و مسلم)

دوسرا فائدہ یہ ہے انسان جن کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے وہ بہت جلد ان کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، غیر ارادی طور پر بھی وہ ان کی کچھ عادت ضرورت قبول کرتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ مکمل طور پر ان کی عادت و اخلاق اپنا لیتا ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے: "المرء علی دین خلیله" "انسان اپنے احباب کے دین پر ہوتا ہے۔" سب جانتے ہیں کسی بھی انسان کی پہچان اس کے ہم نشینوں سے بخوبی ہو جاتی ہے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالع ترا طالع کند

تیسرا فائدہ یہ ہے انسان کو ان حضرات کے کردار اور عمل کو دیکھ کر اپنی غلطیاں معلوم ہوتی ہیں اور اصلاح کی فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ اپنی نالائقی اور اعمال صالحہ میں کوتاہی کا احساس ہوتا ہے۔

چوتھا فائدہ یہ ہے انسان جب تک ان کی مجلس میں بیٹھتا ہے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے، پھر رفتہ رفتہ گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔

پانچواں فائدہ یہ ہے یہ صالحین اپنے ہم نشین کی رازداری کرتے ہیں، اس کے بھید کسی کو نہیں بتاتے اور اس کی غیبت نہیں کرتے بلکہ اس کے لئے دُعا کرتے ہیں۔

چھٹا فائدہ یہ ہے جب انسان اللہ کے لئے ان حضرات سے محبت کرتا ہے تو وہ خود اللہ کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ حدیث قدسی ہے، اللہ فرماتے ہیں: "میری محبت واجب ہو گئی ان لوگوں کے لئے جو میرے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔"

یہ چند فوائد بطور مثال ذکر کر دیئے ہیں، ورنہ بے شمار فوائد ہیں اور بے انتہا برکات ہیں جو نیک اور صالح حضرات کی صحبت و مجالس سے نصیب ہوتی ہیں۔

شیطان لوگوں کو یوں دھوکا دیتا ہے کہ تم بہت گناہ گار ہو، اللہ والوں کے ساتھ بیٹھنے کے قابل نہیں۔ اس طرح وہ علماء اور صلحاء سے دور رہتے ہیں۔ فاسق و فاجر لوگوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ ان کے

قلوب پر گناہوں کا رنگ چڑھتا چلا جاتا ہے اور روحانی بیماریاں ان کو گھیر لیتی ہیں، بلکہ بہت سے تو ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، لہٰذا کتنے ہی بڑے گناہ گار کیوں نہ ہو۔ حق پرست علماء اور صلحاء کی صحبت میں کچھ وقت ضرور گزارا کرو۔ ان سے محبت رکھو، ان سے دُعا کی درخواست کرو۔ ہفتے میں ایک بار تو ضرور ان کی خدمت میں جایا کرو۔

انسان جس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے، دوستی اور تعلق رکھتا ہے، ان کے اخلاق و عادات غیر محسوس طریقے سے اس کے اندر آجاتے ہیں۔ ہر شخص پر لازم ہے اپنے لیے دین دار، خدا ترس اور با اخلاق دوستوں کا انتخاب کرے۔ جن کے اندر مذکورہ صفات نظر آئیں ان کی طرف خود دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔ یہ دوستی صرف اللہ کی رضا اور محبت حاصل کرنے کی نیت سے ہو۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں: میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ فرماتے ہیں: "میری محبت واجب ہو گئی ان لوگوں کے لئے جو میرے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ میرے ہی لیے مل کر بیٹھتے ہیں۔ میرے ہی لیے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔ میرے ہی لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔" (مشکوٰۃ، ص462)

جو دوستی دنیاوی منافع اور مصلحتں کے لیے ہو گی، وہ قائم نہیں رہ سکتی۔ جیسے ہی غرضی دوست کو اپنی منفعت اور مصلحت ختم ہوتی نظر آئے گی، وہ بالکل بے تعلق ہو جائے گا، جبکہ اللہ کی محبت اور رضا کے حصول کے لیے جو دوستی کی جائے گی وہ ہمیشہ قائم رہے گی۔ دنیا میں بھی دونوں دوست ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ رہیں گے، ایک دوسرے کی عزت و آبرو اور جان و مال کے محافظ بنیں گے اور قیامت کے دن بھی ان کی دوستی قائم رہے گی۔ اللہ ان کو نور کے منبروں پر جگہ عطا فرمائے گا۔ وہ گھبراہٹ اور بے چینی سے اس دن محفوظ رہیں گے جب سب لوگ نہایت حواس باختہ اور غمزدہ ہوں گے۔

بعض لوگ کہتے ہیں ہم اللہ والوں کے پاس اس لیے نہیں جاتے کہ وی سی آر چھوڑنا پڑے گا، سنیما چھوڑنا پڑے گا، عورتوں کی نظارہ بازی اور عشق حرام کی لذتوں کی درآمدات پر پابندی عائد کر دیں گے، ہر گناہ چھوڑنا پڑے ئی گا۔ مولانا شاہ ابرار الحقؒ فرمایا کرتے تھے: "چھوڑنا نہیں پڑے گا خود بخود چھوٹ جائے گا۔ ایسا یقین، ایسا ایمان اللہ والوں کی صحبت سے نصیب ہو گا کہ آپ گناہ چھوڑ کر خوشی منائیں گے، سجدۂ شکر بجائیں گے، اللہ کا شکر ادا کریں گے کہ یا اللہ! گناہوں کی گٹر لائن، غلاظت اور جاست کی نالیوں سے آپ نے ہم کو نکال کر تقویٰ والی زندگی نصیب فرمادی۔

حضرتؒ نے عجیب و غریب مثال دی ایک آدمی ۱۰ ہزار رشوت لے کر بھاگا جارہا۔ دل میں سوچ رہا ہے اپنی بیوی کے لیے فلاں فلاں چیز خریدوں گا اور زمین کا فلاں پلاٹ خریدوں گا کہ اتنے میں اس کا ایک گہرا دوست آتا ہے اور کہتا ہے پیچھے پولیس آرہی ہے۔ تمہارے ان نوٹوں پر پولیس کے اور رشوت دینے والے کے دستخط بھی ہیں۔ تمہیں پھنسانے کے لیے یہ رشوت دی گئی ہے۔ وہ گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہے ایک کھلا ہوا گٹر نظر آتا ہے۔ کہتا ہے خدا اس ڈھکن چور کا بھلا کرے اور اس کو بھی اللہ والا بنادے کہ آئندہ چوری نہ کرے اور دس ہزار کی رقم فوراً گٹر میں پھینک دیتا ہے۔

بتایئے! یہ نوٹ چھوڑ کر وہ خوش ہو گا یا غمگین؟ خوش ہو گا، جان بچی تو لاکھوں پائے ورنہ دس سال کی قید ہوتی اور نہ جانے کتنا جرمانہ ہوتا۔ اب جتنا پولیس پر یقین ہے، جتنا حکومت کے ڈنڈوں پر یقین ہے، اللہ والوں کی صحبت سے جب اللہ کی ناراضگی اور جہنم پر ایمان و یقین پیدا ہو جائے گا تو گناہ چھوڑنے نہیں پڑیں گے، خود بخود چھوٹ جائیں گے اور گناہ چھوڑ کر آپ اللہ کا شکر ادا کریں گے۔

مولانا شاہ ابرار الحقؒ ایک مثال اور دیتے ہیں 10 لاکھ کی کار کسی نے خریدی اور اس کے خریدنے کے لیے کتنا مجاہدہ کیا۔ محنت سے دن رات کمایا، خون پسینہ بہا کر روپیہ جمع کیا، پھر کار خریدی اور آپ نے اس سے دوستی کرلی۔ دوستی کی برکت سے کبھی آپ کو اپنی کار میں بٹھالے گا کہ کہاں جارہے ہو، آؤ بیٹھ جاؤ۔ محنت و مجاہدہ اس نے کیا اور آپ نے محنت نہیں کی لیکن دس لاکھ کی کار میں آپ کو کیوں بٹھالیا؟ محبت اور تعلق کی وجہ سے۔

اسی طرح جو لوگ اللہ والوں سے محبت و تعلق رکھتے ہیں، ان اللہ والوں کے مجاہدات کی برکت سے اللہ ان کو بھی ولایت کے بلند مقام پر پہنچا دیتے ہیں۔ جب اللہ اس کو ولایت کے لیے منتخب کر لیتے ہیں تو اعمالِ ولایت، جذباتِ ولایت، خیالاتِ ولایت، اخلاقِ ولایت خود عطا فرماتے ہیں۔

دیکھئے! حکومت کسی کو پہلے ڈپٹی کمشنری کے لیے منتخب کرتی ہے پھر بنگلہ ملتا ہے، پھر سرکاری موٹر ملتی ہے، پھر سرکاری جھنڈا اس کی کار پر لگایا جاتا ہے، پھر پولیس اس کی حفاظت کے لیے دی جاتی ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ آسمان پر فیصلہ فرماتے ہیں اس بندہ کو مجھے اپنا ولی بنانا ہے۔ اس انتخاب کے بعد پھر اس کو اعمالِ اولیاء، اخلاق اولیاء، جذباتِ اولیاء، لذتِ مناجات، سجدہ کی لذت اور ایسی تمام نعمتیں خود عطا فرماتے ہیں۔

## تبدیلی

ترقی تبدیلی کے بغیر ناممکن ہے۔ جو لوگ اپنے ذہن تبدیل نہیں کرسکتے، وہ کبھی کوئی چیز تبدیل نہیں کرسکتے۔

تعلیم وتربیت

# عصرِ حاضر میں دینی مدارس کی اہمیت وضرورت

مولانا رفیع الدین حنیف

اصلاح حال کے حوالے سے سرگرم مختلف تحریکوں اور تنظیموں کے نمائندہ لوگوں کی جانب سے یہ رویہ مشاہدے میں آرہا ہے کہ وہ دبی زبان میں مدارس کی افادیت اور ان کی نافعیت کا یا تو بالکل انکار کررہے ہیں یا اپنی ناقص فہم میں ان کی نافعیت کو بالکل محدود ٹھہرانے پر تُلے ہیں۔ان میں بعض حضرات تہذیبِ جدید کے مذہب بیزار اور مادہ پرست نظامِ تعلیم کے زیر اثر اس طرح کی بیمار اور مذموم ذہنیت کا مظاہرہ کررہے ہیں، یہ لوگ قرآن فہمی اور حدیث دانی کے لیے اپنے محدود فہم میں عربی کی تھوڑی سی شُدبُد یا اس کے صرف ترجمہ پڑھ لینے ہی کو کافی سمجھ رہے ہیں، یہ لوگ مدارس کے تعلق سے ایسے طنز آمیز اور رکیک جملہ بازیوں اور اس قسم کی دریدہ دہنیوں سے بھی گریز نہیں کرتے کہ "یہ مدارس معاشرے پر خیراتی بوجھ کے سوا کچھ نہیں ہیں" گویا یہ اپنے اس طرزِ عمل کے پس پردہ مدارس کے سارے نصاب ونظام ہائے شب وروز کی تگ ودو اور وہاں کی ساری نقل وحرکت کو فرسودہ، نامعقول، غیر نفع بخش اور تضیعِ اوقات باور کرانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اس کے بالمقابل بعض حضرات وہ ہیں جو محض تبلیغی جماعت سے وابستگی اور اس کے طریقۂ کار اور نظامِ عمل پر مکمل کاربند رہنے ہی کو مدارس کے دس بارہ سالہ تعلیمی وتربیتی دورانیہ کے ہم پلہ اور مماثل قرار دے رہے ہیں۔

حالاں کہ مدارس کو ان نوع بہ نوع اور ہمہ اقسام تحریکوں و تنظیموں کے بیچ وہی حیثیت حاصل ہے جو سارے نظامِ فلکی میں کواکب وسیّارات کے مقابل سورج کو ہے کہ ان تمام کی ساری رونق، چمک دمک اور قوت کا اصل منبع اور سرچشمہ یہی سورج ہے، آپ آزادیِ ہند کے بعد کی اصلاحی یا رفاہی کسی بھی تحریک کے بنیادی ڈھانچہ اور اس کے ابتدائی مراحل کا جائزہ لیجیے، اس کا آخری سرا کہیں نہ کہیں انھیں مدارس سے مربوط نظر آئے گا، اس کی زمام اور باگ انھیں مدارس کے فارغ التحصیل علماء کے ہاتھوں میں ہوگی، یا اس تحریک کے مختلف ادوار میں اس کی ترقی وترویج اور تقویت کے یہی باعث نظر آئیں گے، آج

بھی قرآن وحدیث پر گہری بصیرت، علومِ اسلامیہ پر کامل دسترس اور ان علوم کے تئیں وسیع نظر اور دور بیں نگاہ چاہتے ہیں تو وہ انھیں مدارس اور اسی نصابِ تعلیم وتربیت کے زیرِ اثر حاصل ہوگی۔

## مدارس کے نصابِ تعلیم پر ہونے والے اعتراضات کا جائزہ

بعض لوگوں کا یہ مطالبہ کہ مدارس کے موجودہ نصابِ تعلیم کے ڈھانچہ کو یکسر بدل دیا جائے اور اس کی جگہ ایک ایسا نیا نصاب رائج کیا جائے کہ جو ان مدارس کے فارغین کی معاشی کفالت کا ضامن ہو، اس طرح کا مطالبہ نہ تو عقل ودانش کے موافق ہے اور نہ ہی یہ بات مدارس اسلامیہ کے قیام کے اہداف ومقاصد کے ہم آہنگ نظر آتی ہے، رہی جزوی ترمیم اور تبدیلی تو یہ علماء دین اور اربابِ مدارس وقتاً فوقتاً کرتے رہتے ہیں۔آج سے ساٹھ سال قبل داخل درس نظامی کا نقشہ موجودہ نصاب سے ملا کر دیکھیے، موجودہ نقشہ اس سے یکسر مختلف نظر آئے گا، ابھی فی الحال موجودہ احوال اور تقاضوں کے پیشِ نظر مدارس میں عربی، انگریزی، جدید جغرافیہ، فلکیات، جدید معاملات، بینکنگ وغیرہ وغیرہ کورسز شروع کر دیے گئے ہیں، اس کا ذوق رکھنے والے فارغ التحصیل طلباء اس شعبہ سے منسلک ہو کر ان زبانوں اور فنون پر عبور حاصل کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے جب ایک دفعہ کسی نے نصاب میں تبدیلی کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے یوں فرمایا:

"جہاں تک نصاب کا تعلق ہے تو وہ بالکل قابلِ اطمینان ہے، یہ وہی نصاب ہے جس سے بڑے بڑے اکابر علماء تیار ہوئے ہیں؛ البتہ جزوی ترمیم و تغیر تو پہلے بھی ہوتی رہی ہے، اور آئندہ بھی ہوگی؛ البتہ اصل وہی ہیں جو نہیں بدل سکتے، جیسے صحاح ستہ اور قرآن کریم کی تعلیم، باقی جتنے علومِ آلیہ ہیں، مبادی ہیں، ان میں جزوی طور پر تغیر و تبدیل ہوتا رہا ہے، نوعی طور پر نصاب وہی باقی رہا؛ اس لیے جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ تو بالکل قابلِ اطمینان ہے"۔ (دینی مدارس، ابن الحسن عباسی: ۱۱۰)

ہم ان حضرات سے جو مدارس کے نصاب ونظام کی مکمل تبدیلی کے طالب ہیں سوال کرتے ہیں کہ کیا ان میں سے کبھی کسی نے بڑے بڑے اسکول اور کالجز کے چلانے والوں یا بڑی بڑی میلوں، کمپنیوں اور کارخانوں کے ٹھیکیداروں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ لوگ وہاں طلباء اور کارکنان کو اس عصری تعلیم سے ہٹ کر یا کارخانے کی مصروفیت سے تھوڑا سا ٹائم علیحدہ کرکے، ان کے اسلامی شعور کو بیدار اور زندہ رکھنے کے لیے، دینی تعلیم کا بھی کوئی نظم ونسق کریں؛ تاکہ ان کی اس دنیا کے ساتھ ان کی آخرت کی سدھار کا بھی سامان ہو جائے۔

مدارس کا موجودہ نصابِ تعلیم حذف واضافہ تغیر وتبدل کے مختلف ادوار ومراحل سے گذر کر موجودہ حالت میں آیا ہے، یہ مسلمانوں کی آٹھ سوسالہ علمی وتعلیمی تاریخ کا نچوڑ ہے، اس نصابِ تعلیم میں مختلف وقتوں میں تغیرات ہوتے رہے ہیں اور مختلف اثرات واحوال کے ماتحت اس میں ترمیم وتنسیخ کا عمل جاری رہا ہے، آخر میں جس سلسلۂ درس اور نصابِ تعلیم کی قسمت میں جہانگیری اور دوام وبقا لکھا تھا، جس کا سکہ ہندوستان سے لے کر افغانستان وایران تک رہا، اس کے نامور بانی "ملا نظام الدین سہالوی" (م۱۱۶۱) رہے ہیں، جن کا نصاب تعلیم خفیف حذف وترمیم کے ساتھ آج تک مدارس میں رائج ہے۔ (ہندوستانی مسلمان ۱۲۸)

## امتِ اسلامیہ پر مدارس کا احسانِ عظیم

جس طرح ایک انسان اپنی زندگی کی بقا کے لیے خوراک اور پوشاک کو ضروری خیال کرتا ہے، اسی طرح ایک حقیقی مسلمان اپنی اسلامی شناخت، تہذیبی خصوصیات اور معاشرتی امتیازات سے وابستگی اور اپنے ملی وجود کی حفاظت کو اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت دیتا ہے، وہ کسی دام پر اپنے ملی تشخص اور اپنے امتیازات وشعائر سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔ چونکہ خوراک سے پیٹ اور پوشاک سے جسم کی حفاظت تو ہوسکتی ہے، لیکن ایک حقیقی مسلمان کے پاس اس کے پیٹ اور جسم کے ان تقاضوں اور ان مادی ضرورتوں کے علاوہ بھی ایک اہم چیز اور بھی ہے، وہ ہے اس کا دین اور ایمان۔

مسلمان بھوکا تو رہ سکتا ہے، لیکن وہ اپنی تہذیبی خصوصیات سے دستبردار نہیں ہوسکتا، اگر وہ اس دین میں رہے گا تو اپنی ان تمام خصوصیات کے ساتھ، آج پوری دنیا میں مسلمانوں کو بحیثیت ایک ملت کے ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، آج ہمارا دشمن ہمارے ملی وجود اور تہذیبی خصوصیات کو چن چن کر ختم کرنے پر تلا ہوا ہے، اگر آج اسلام اپنی تمام خصوصیات وامتیازات کے ساتھ نظر آرہا ہے، تو وہ انھیں مدارسِ عربیہ کے زیر احسان، شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی، کچی پکی جو مساجد آباد نظر آرہی ہیں، مختلف تحریکوں کی شکل میں مسلمانوں کی اخلاقی واعتمادی اور معاشی اصلاح کا جو جال ہر سمت بچھا ہوا ہے، یا کسی بھی جگہ دین کا شعلہ یا اس کی تھوڑی سی رمق اور چنگاری سلگتی ہوئی نظر آرہی ہے وہ انھیں مدارس کا فیضِ اثر ہے، اگر ان مدارس کا وجود نہ ہوتا تو آج تو ہم موجود ہوتے، لیکن بحیثیت مسلم نہیں؛ بلکہ ان حیوان نما انسان کے ان تمام درندہ صفت خصوصیات کے ساتھ۔

ہندوستان میں عوامی نذرانے پر چلنے والے موجودہ شکل کے مدارس کی ابتدائی تحریک کا جائزہ لیجیے کہ کن اسباب و محرکات کے تحت اس نظام کے حامل مدارس کا آغاز ہوا؟ دراصل اس وقت بھی یہی صورت حال تھی کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے زمامِ اقتدار چھن چکا تھا، انگریزی قوم یہاں کے ہر سیاہ وسفید کی مالک ہوچکی تھی، اگر انھیں مستقبل میں اپنے اور اپنے اس آمرانہ حکمرانی کے بیچ کوئی چیز سب سے بڑی رکاوٹ اور حائل نظر آرہی تھی تو وہ یہاں کی غیور، باحمیت اور زندہ دل مسلمانوں کی تھی، چونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کی موجودہ خست وذلت سے نکال کر انھیں رفعت وبلندی کے اوج ثریا پر کوئی چیز پہونچا سکتی ہے تو وہ ہے، ان کا ایمان وایقان اور ان کی دینی حمیت۔

انھوں نے اس کے لیے حکومت کے ماتحت چلنے والے تمام تعلیمی اداروں کے نصاب ونظام میں حذف واضافہ شروع کردیا، اس نصابِ تعلیم کی تبدیلی اور ترمیم کا راست اثر مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ پر ہورہا تھا، وہ اپنی تہذیبی خصوصیات سے دستبردار ہوکر بحیثیت قومِ مسلم کے اپنا وجود کھورہے تھے، اس وقت بھی مدارس ومکاتب کی اسی تحریک ہی کے ذریعہ اسلام کا بچاؤ ممکن ہوسکا۔

مدارس کی اہمیت وضرورت اور مسلم معاشرے پر ان کے احسانِ عظیم کا تذکرہ کرتے ہوئے، علامہ سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں:

"ہم کو یہ صاف کہنا ہے کہ عربی مدرسوں کی جتنی ضرورت آج ہے، کل جب ہندوستان کی دوسری شکل ہوگی اس سے بڑھ کر ہوگی، یہ ہندوستان میں اسلام کی بنیاد اور مرکز ہوں گے، لوگ آج کی طرح کل بھی عہدوں اور ملازمتوں کے پھیر اور اربابِ اقتدار کی چاپلوسی میں لگے ہوں گے اور یہی دیوانے آج کی طرح کل بھی ہوشیار رہیں گے؛ اس لیے یہ مدارس جہاں بھی ہوں، جیسے بھی ہوں، ان کا سنبھالنا، اور چلانا مسلمانوں کا سب سے بڑا فریضہ ہے، اگر ان عربی مدرسوں کا کوئی دوسرا فائدہ نہیں تو یہی کیا کم ہے کہ یہ غریب طبقوں میں مفت تعلیم کا ذریعہ ہیں، اور ان سے فائدہ اٹھا کر ہمارا غریب طبقہ کچھ اور اونچا ہوتا ہے اور اس کی اگلی نسل کچھ اور اونچی ہوتی ہے، اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے، غور کی نظر اس نکتہ کو پوری طرح کھول دے گی"۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی ان مدارس کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"اس وقت مدارسِ علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لیے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں، دنیا میں اگر اسلام کے بقاء کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں"۔ (حقوق العلم: ۵۱)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی یوں فرماتے ہیں: "یہی کہفی مدارس تھے (علماء اور طلباء کے نسبت مولانا کی خصوصی اصطلاح) جنہوں نے مسلمانوں کے ایک طبقہ کو خواہ ان کی تعداد جتنی بھی کم ہے، اعتقادی واخلاقی گندگیوں سے پاک رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے"۔

(الفرقان، افاداتِ گیلانی: نمبر ۱۸۸ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۱/۴۹)

## یہ مدارس معاشرے کو کیا دے رہے ہیں؟:

یہ ایسی واضح اور روشن حقیقت ہے کہ جس کا معاشرے کے حقیقی احوال سے ناواقفیت یا ایسا شخص ہی منکر ہو سکتا ہے جس نے جان بوجھ کر ان احوال سے آگہی کے باوجود اس سے آنکھیں موند لینے کی ٹھان لی ہو کہ دین کا بقاء و تحفظ، اسلامی اقدار وروایات کی پاس وحرمت، مسلمانوں کی اپنی شریعت کے ساتھ سچی وابستگی وعقیدت اور پورے معاشرے کے اصلاح ودرستگی کا اگر کوئی کام انجام دے رہے ہیں تو یہی مدارس ہیں۔

جو کسی نہ کسی طریقے سے اصلاح امت اور بھلائی کے فروغ کے سارے کاز کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں، اور یہ مسلم معاشرے کی اسلام کے ساتھ حقیقی ربط وضبط کی برقراری کے لیے تمام ضروریات کی تکمیل (جن میں مساجد کے لیے عملی صلاحیت کے حامل مقررین، اسلامی تعلیمات کی تدریس کے لیے مدرسین واساتذہ کی فراہمی، امتِ مسلمہ کے مختلف مسائل اور اس کے اسلامی حل کے لیے دارالافتاء کے قیام اور اس کے لیے باصلاحیت صاحب بصیرت اور دوررس نگاہ مفتیان عظام کے نظم اور امت کے اصلاح کے کاز کو تصنیف وتالیف، دعوت و تبلیغ، وعظ وارشاد اور خانقاہی نظام کے ذریعے انقلاب برپا کرنے والے شامل ہیں) میں پوری تندہی کے ساتھ بغیر کسی شور وشغب اور پروپیگنڈے کے مصروفِ عمل ہیں۔

معاشرے کی دینی ضروریات کی تکمیل میں مدارس کی حیثیت اس کسان کی سی ہے جو زمین کے ہموار کرنے، فصل کے اگانے، کٹائی سے لے کر اس غلہ اور اناج کے مارکٹ پہونچنے تک اپنی ساری توانائی اور قوت اس کے پیچھے صرف کرتا ہے، جو غلہ تمام انسانوں کی آسودگی اور بھوک مٹانے کا سبب بنتا ہے، دین کے تمام شعبوں کو زندہ، بیدار اور متحرک رکھنے میں مدارس کی یہی مثال ہے۔

**معاون بن کر سیکھئے۔**

آپ ایک اچھے انسان نہیں بن سکتے جب تک آپ کسی کے معاون نہیں بنتے، جب آپ دوسروں کے کام آنا شروع ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔

نجوم ھدایت

# قیدی کافرار

عبد اللہ فارانی

انہوں نے جونہی اسلام قبول کیا، مشرکین مکہ نے انہیں قید میں ڈال دیا، بہت مدت تک قید میں رہے ان کا ظلم سہتے رہے، ان حالات میں ایک دن انہیں فرار ہونے کا موقع ہاتھ آگیا۔

وہ سیدھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

اس وقت تک صلح حدیبیہ ہوچکی تھی اس صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ جو مسلمان مشرکین کے پاس سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا، اسے نبی اکرم ﷺ واپس کردیں گے۔

مشرکین کو جب پتا چلا کہ ان کا قیدی فرار ہوگیا ہے تو آگ بگولا ہوگئے اور جب انہوں نے سنا کہ وہ فرار ہو کر مدینہ پہنچ گئے ہیں تو اور بھی طیش میں آگئے، فوراً دو آدمی وفد کی صورت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مطالبہ کیا:

"صلح نامے کی شرائط کی رو سے ہمارا آدمی ہمارے حوالے کریں"

انہیں مشرکین کے حوالے کرنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ پھر سے ظلم وستم کی چکی میں پوری بے رحمی کے ساتھ پستے، لیکن رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم عہد کے پابند تھے اور ان سے بڑھ کر عہد کی پابندی اور کر بھی کون سکتا تھا، آپ تو نبوت سے پہلے بھی بااصول تھے، اسی لیے تو صادق اور امین مشہور ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان سے فرمایا:

"دیکھو یہ عہد شکنی ہوگی۔ عہد شکنی ہمارے دین میں جائز نہیں، اس لیے اس وقت تم (مشرکین کے پاس) واپس چلے جاؤ، بہت جلد اللہ تعالی تمہاری اور دوسرے مظلوم مسلمانوں کی رہائی کی کوئی صورت پیدا کردے گا"

یہ سن کر انہوں نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے پھر مشرکین کے حوالے کر رہے ہیں، ایسا نہ ہو، وہ مجھے سیدھے راستے سے بھٹکا دیں"۔

جواب میں رحمت دوعالم ﷺ نے فرمایا:

"جاؤ! اللہ جلد ہی تمہاری اور دوسرے مسلمانوں کی رہائی کا سامان کردیں گے"

انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور ان کے ساتھ چل دیے۔

ذوالحلیفہ کے مقام پر ان کے یہ دونوں نگران کھجوریں کھانے کے لیے ٹھہر گئے۔ ایسے میں انہوں نے ان دونوں میں سے ایک سے کہا: "برادر! تمہاری یہ تلوار بہت خوب صورت اور عمدہ ہے"

تلوار کا مالک اس کی تعریف سن کر خوش ہو گیا اور بولا:

"بے شک! یہ تلوار بہت اچھی ہے، میں نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے"

یہ سن کر وہ فوراً بولے: "ذرا دکھانا"

اس نے فوراً تلور نیام سے نکالی اور ان کی طرف بڑھا دی۔ مشرکین کئی سال سے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ اس وقت یہ نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ان کے ساتھ آ تو گئے تھے، لیکن دوبارہ خود کو ان کے حوالے کرنے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہیں تھے۔

چنانچہ تلوار ہاتھ میں لیتے ہی انہوں نے تلوار کے مالک پر وار کیا اور ایک ہی وار میں اس کا سر اڑا دیا۔ دوسرا خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا، وہ سیدھا مدینہ پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نبی کریم ﷺ نے اسے بدحواس دیکھ کر پوچھا: کیا بات ہے تم پریشان کیوں ہو اور واپس کیسے آ گئے؟

اس نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اتنے میں وہ بھی وہاں پہنچ گئے اور آتے ہی بولے:

"اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے معاہدے کی شرط پوری کر دی، آپ اپنی ذمے داری سے سبکدوش ہو گئے، اب اللہ نے مجھے ہمت دی اور میں آزاد ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ نے سوچا، قریش کے آدمی کو قتل کرنے کی بنیاد پر قریشی مشتعل ہو جائیں گے، اس لیے ان کے بارے میں فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ فرمایا۔ دیکھ کر انہوں محسوس کر لیا کہ شاید انہیں پھر مشرکین کے حوالے کر دیا جائے گا، چنانچہ یہ موقع پا کر وہاں سے نکل گئے اور ساحلی مقام کی طرف چلے گئے۔

انہوں نے ایک ساحلی علاقے عیص کو اپنا ٹھکانا بنا لیا۔ اس مقام سے قریب ہی وہ راستہ تھا جس پر سے قریش کے تجارتی قافلے گزرا کرتے تھے۔ ابھی چند دن گزرے تھے کہ انہی کی طرح ایک اور صحابی ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہ بھی مشرکین کی قید سے فرار ہو کر عیص پہنچ گئے، اب تو ان جیسے اور لوگوں کو ایک راستہ مل گیا۔ ظلم و ستم کی چکی میں مسلسل پسنے والے ان لوگوں سے جسے بھی موقع ملتا، وہ وہاں پہنچ جاتا، اسی طرح تھوڑے ہی عرصہ بعد وہاں مسلمانوں کی اچھی بھلی جماعت جمع ہو گئی۔

اب یہ لوگ مشرکین سے انتقام لینے کی پوزیشن میں آگئے۔ان حضرات نے مشرکین سے انتقام لینے کی ایک عجیب ترکیب سوچی،جب بھی قریش کاکوئی تجارتی قافلہ اس راستے سے گزرتا،تو یہ لوگ پہلے سے تاک میں بیٹھے ہوتے تھے،فوراً اٹھ کر اس پر حملہ کردیتے،قافلے میں تباہی مچادیتے،ساراسامان لوٹ لیتے تھے،اس طرح قریش کی تجارت خطرے میں پڑ گئی۔یہ گوریلاجنگ (چھاپہ مارلڑائی) کی ابتدائی شکل تھی،اس لحاظ سے ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس مقابلے کو گوریلاجنگ کاموجد کہہ سکتے ہیں۔

آخر قریش تنگ آگئے۔انہوں نے تنگ آکر نبی ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا۔

"آئندہ جو مسلمان بھاگ جائے گا،وہ آزاد ہوگا،آپ اسے واپس کرنے کے پابند نہیں ہوں گے"

ساتھ ہی انہوں نے صلہ رحمی کاواسطہ دیااور درخواست کی:

"عیص میں ٹھرانے والے مسلمانوں کو روکیے،وہ ہمارے تجارتی قافلوں پر حملے نہ کریں"

رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی اورانہیں اورابو جندلؓ کو لکھ بھیجاکہ یہ لوگ مدینہ آجائیں،باقی اپنے گھروں کو چلے جائیں اس موقع پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی:

"اللہ وہ ہے جس نے مکہ کی وادی میں دشمنوں کے ہاتھوں تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے،قابو پانے کے بعد" (سورۃ فتح:۲۴)

جب انہیں نبی کریم ﷺ کا یہ فرمانِ مبارک ملاتوان کی وفات کاوقت قریب تھا۔

خط مبارک ہاتھ میں لے کر پڑھنے لگے،خط پڑھتے پڑھتے ہی ان کی روح جسم کاساتھ چھوڑ گئی اورآپ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور عیص ہی میں دفن ہوئے۔قریب ہی ان کی یاد میں ایک مسجد بنائی گئی۔اس کے بعد ابو جندل رضی اللہ عنہ مدینہ آگئے۔دوسرے مسلمان اپنے گھروں کو واپس آگئے۔

جن کے حالات آپ نے پڑھے،ان کانام حضرت عتبہ بن اُسید ثقفی رضی اللہ عنہ تھا،یہ اپنی کنیت ابو بصیر سے مشہور ہیں،ان کا تعلق طائف کے جنگجو قبیلے بنو ثقیف سے تھا،لیکن قریش سے قریبی تعلقات ہونے کی بناء پر طائف سے مکہ آکر رہائش اختیار کرلی تھی،چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ نے نبوت کااعلان فرمایا،اسلام کی دعوت دی تو یہ فوراً ہی ایمان لے آئے تھے،اللہ کی ان پر بے شمار رحمتیں ہوں۔آمین

اسلامی معاشرت

# انسانوں کی پہچان

خالد رحمٰن

نبی کریم ﷺ کی مجلس میں صحابہؓ تشریف فرما تھے۔ ایک صحابی آئے، کچھ دیر بیٹھے اور چلے گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں دیگر صحابہؓ سے فرمایا کہ کسی کو جنتی دیکھنا ہو تو ان کو دیکھ لے۔ عبد اللہ ابن عمرؓ بھی وہیں موجود تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی بات سنی تو تجسس اور شوق ہوا کہ جا کر ان سے معلوم کریں، آخر وہ کیا عمل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے انہیں جنتی قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ ان کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی کہ میں کچھ وقت آپ کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا: ٹھیک ہے، آپ شوق سے ٹھہر جائیں۔

عبد اللہ ابن عمرؓ نے ان کے گھر قیام کیا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ صاحب جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے جنتی بتایا ہے شاید اپنی پوری پوری راتیں عبادت میں گزارتے ہوں گے۔ لیکن، انہوں نے دیکھا ایسا تو نہیں تھا۔ رات آئی اور گزر گئی۔ یہاں تک کہ فجر کا وقت آگیا، لیکن ان صاحب نے تو تہجد بھی نہ پڑھی۔ پھر عبد اللہ ابن عمرؓ ان کی دن بھر کی مصروفیات کا جائزہ لیتے رہے۔ انہوں نے ان کے اعمال عبادات اور تقویٰ کے عمومی معیار کے لحاظ سے غور کیا لیکن انہیں تعجب ہوا کہ دن میں بھی ان صاحب کے طرز عمل میں ایسی کوئی خاص بات نہ تھی۔ ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا دن گزرا۔ لیکن ان صاحب کے معمولات تو اسی طرح عام تھے۔

تیسرے دن عبد اللہ ابن عمرؓ نے صاحب خانہ سے اجازت لی اور انہیں بتایا کہ میں تو دراصل اس لیے آیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: کسی نے اگر جنتی کو دیکھنا ہو تو آپ کو دیکھ لے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ میں نے جس قدر آپ کو دیکھا ہے مجھے تو کوئی خاص بات آپ کے اندر نظر نہ آئی۔ صاحب خانہ نے ان کی بات سنی تو کہا:

میں جو کچھ بھی ہوں آپ کے سامنے ہوں اور آپ نے ان دو تین دنوں میں جو کچھ دیکھا ہے یہی میرے معمولات ہیں۔ اتنی بات ضرور ہے کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے لیے کوئی کینہ اور دشمنی نہیں ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے یہ بات سنی اور کہا یہی دراصل وہ وجہ ہے جس کی بنا پر اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کے بارے میں یہ بشارت دی کہ یہ آدمی جنتی ہے۔

انسانی زندگی میں عبادت کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کچھ عبادات فرض کی ہیں اور اس کے ساتھ ہی بہت سی ایسی نفل عبادات کے بارے میں تعلیم دی گئی ہے جن کی ادائیگی

پر انسانوں کے لیے اجر کثیر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ جو لوگ بھی خشوع و خضوع اور وقت کی پابندی کے ساتھ ان عبادات کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں، ان کے لیے بلند مقام کی توقع غلط نہیں ہے۔ تاہم حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے جنتی صحابی کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کر کے ایک انتہائی اہم حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ یہ حقیقت کہ جنت کا حصول محض بندے اور اللہ کے درمیان تعلق پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اس بات سے بھی ہے کہ انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ معاملات کس طرح سرانجام دیتا ہے۔

انسان اور انسان کے تعلق کی بات کی جائے تو اس کی حدود میں زندگی کا بیش تر حصہ آجاتا ہے۔ زندگی تو در اصل ماں باپ، بہن بھائی، عزیز و اقارب، پڑوسی اور اہل محلہ، کاروباری یا دفتری شراکت دار، افسر اور ماتحت اور اسی طرح دیگر لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے اور وقت گزارنے کا نام ہے، حتیٰ کہ دوران سفر کچھ وقت ساتھ گزارنے والے لوگوں سے بھی انسان کو بہت سے معاملات در پیش ہوتے ہیں۔ ان تمام لوگوں سے معاملہ کرتے وقت اگر ان کے ساتھ کوئی زیادتی کر دی جائے، انہیں کوئی جسمانی یا ذہنی تکلیف پہنچائی جائے، یا ان کے جذبات و احساسات کا درست طور پر خیال نہ رکھا جائے تو در حقیقت انسان کی ذاتی عبادات کی مقدار کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو آخرت میں اس کی صفائی اس وقت تک ممکن نہیں ہو گی جب تک ان معاملات کا حساب صاف نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت کردہ ایک حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ کے سامنے انسانوں کے اعمال تین رجسٹروں کی شکل میں پیش ہوں گے۔ اعمال کا پہلا رجسٹر شرک سے متعلق ہو گا جسے اللہ کی جانب سے ہر گز معاف نہیں کیا جائے گا۔ دوسرا رجسٹر ان معاملات سے متعلق ہو گا جو انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہیں یا انکا تعلق اللہ کی ذات سے ہے مثلاً: نماز، روزہ یا کسی ااور عبادت میں کوئی کوتاہی ہو گئی ہو، اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پروانہ ہو گی۔ اگر وہ چاہے تو انہیں معاف کر دے اور چاہے تو اس پر حساب لے لے۔ لیکن اعمال کا تیسرا رجسٹر ایسا ہو گا جس کا حساب لیے بغیر نہ چھوڑا جائے گا۔ یہ رجسٹر ان معاملات سے متعلق ہو گا جو انسان اور انسان کے درمیان ہیں یعنی جن کا تعلق حقوق العباد اور معاشرت سے ہے۔ لیکن افسوس کہ آج ہم دین کے اہم حصے یعنی حقوق العباد اور اسلامی معاشرہ سے غافل ہیں بلکہ اسے دین کا حصہ ہی نہیں سمجھتے اور نہ آداب معاشرت پر عمل پیرا ہیں۔ اسلامی معاشرت سے یہ غفلت آج امت مسلمہ کے زوال کا سبب ہے۔

حالات حاضرہ

# اسلامی اقدار اور فلمی اور ٹی وی دنیا

مولانا لقمان احمد

فلمی دنیا اور ٹیلیویژن کے پروگراموں کی موجودہ صورت حال یقیناً اسلامی، اخلاقی اور تاریخی اقدار کے لئے بہت خطرناک اور تباہ کن ہے، چنانچہ دنیا بھر کے ٹیلیویژن پروگراموں پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت بخوبی آشکارا ہو جاتی ہے کہ ٹی وی کے روزمرہ کے پروگرام اخلاق سے عاری اور شرم وحیا سے دور ڈراموں، سلسلہ وار فیچروں، جذبات بھڑکانے والے گانوں اور اخلاق سوز مناظر سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، حتٰی کہ کارٹون بھی اس طرح کے حیاسوز مناظر سے پاک نہیں ہوتے۔

روزانہ طویل وقت اس طرح کے پروگرام دیکھنے والوں پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں؟ یہی کہ ان کا فکر و شعور امتیاز خیر و شر کی صلاحیت سے عاری ہو جائے اور ان میں دین و اخلاق کی اساس پر کھرے اور کھوٹے میں فرق کرنے کی خوبی باقی نہ رہے!

ذرا دیکھیے دنیا بھر کے ممالک میں ٹیلیویژن پر کیا پیش کیا جاتا ہے:

- ٹیلیویژن کی نظر میں امت میں موجود اہل علم، انجینئر، ڈاکٹر کی کوئی قیمت اور کوئی قدر نہیں ہے، اس کے نزدیک تمام اہمیت فنکاروں کو حاصل ہے اور ٹی وی اداکاروں، رقاصاؤں اور کھلاڑیوں کو فنکار سمجھا جاتا ہے، اور شب و روز انہی کی اہمیت کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ان کے پروگرام نشر ہوتے ہیں بلکہ بڑے اہتمام کے ساتھ اور بڑے خوشنما اور پرکشش اسلوب میں ان کے انٹرویو بھی نشر کیے جاتے ہیں اور اس تمام مہم کا مقصود یہی ثابت کرنا ہوتا ہے کہ ٹی وی دیکھنے والی نسل نو کے رہنما اور مقتدا یہی فنکار ہیں۔
- ٹیلیویژن کے مسلسل ڈراموں میں اداکاروں کو بڑے خوبصورت اور دلکش انداز میں دکھایا جاتا ہے، اگر کبھی تاریخ اسلام کی کسی شخصیت پر پروگرام دکھانے کی مجبوری پیش آجائے تو اس کو بہت کمزور اور بُرے انداز میں دکھاتے ہیں، گویا زبان حال سے کہتے ہیں کہ دیکھو ہماری زندگی میں

مثال اور نمونہ یہ نہیں، وہ ہیں جن کی دلکشی اور سحر انگیزی تمھارے دلوں میں گھر کرتی چلی جاتی ہے۔

- مختصر دورانیے کے ڈرامے ہو یا مسلسل سیریز سب نوجوانوں کے عشق و محبت کے گرد گھومتے ہیں اور یہ عشاق محفلوں اور تفریح گاہوں میں باہم مسرت و شادمانی سے ملتے جلتے ہوئے دکھائے جاتے ہیں، تاکہ رفتہ رفتہ ناظرین کے ذہنوں میں رچ بس جائیں اور وہ ان کو ناپسندیدہ اور اجنبی سمجھنے کے بجائے لازمۂ حیات سمجھنے لگیں۔
- ڈراموں کے دوران میں بہت سے حرام کاموں اور برائیوں کا پرچار کیا جاتا ہے، مثلاً اداکاروں کو مے نوشی اور سگریٹ نوشی کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے اور شرابیوں کے طریقے پر اشعار کو کھینچ کھینچ کر گایا جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ نوجوان ان ڈراموں کے فاسقوں کی تقلید کریں۔
- ٹیلیویژن پر جھوٹ، دھوکہ دہی اور سازش اور عورتوں میں چغلخوری اور غیبت کو فروغ دیا جاتا ہے ،اور مسلسل ڈراموں میں بکثرت یہی برائیاں سامنے آتی ہیں اور بچے اور نوجوان یہی عادتیں سیکھتے چلے جاتے ہیں اور بعد ازاں اسلامی اقدار کا فروغ دشوار ہو جاتا ہے۔
- ٹیلیویژن کے ڈاموں اور مسلسل پروگراموں میں غیر ثقہ زبان استعمال ہوتی ہے اور مخصوص جملے کسی خاص اخلاق سوز حرکت کے ساتھ کہے جاتے ہیں، جسے بچے سیکھ لیتے ہیں اور اور گھر ہو یا سڑک اور اسکول ہر جگہ ان غیر سنجیدہ جملوں اور ناشائستہ حرکتوں کو دہراتے رہتے ہیں۔ ان بری عادتوں کے چھڑانے کے لئے اساتذہ اور والدین کی نصیحتیں بے اثر رہ جاتی ہے کیونکہ ٹی وی کی تہ در تہ تاثیر زیادہ گہری اور زیادہ قوی ہوتی ہے۔
- تاریخی ڈراموں میں اسلامی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ ایسا کبھی ارباب ٹی وی کی خبثِ باطن کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہیں کہ ٹی وی کے در و بست پر مامور لوگ اسلام سے ناواقف ہوتے ہیں، اور اکثر اوقات اس کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ڈرامے میں کوئی ایسا منظر زیادہ نمایاں اور پر کشش کر کے دکھانا چاہتے ہیں جو اُن کی نظر میں ضروری ہوتا ہے کیونکہ (ان کے نقطۂ نظر سے) ڈرامہ خواہ تاریخی کیوں نہ ہو اس میں عشق و محبت کے مناظر ضرور دیکھائے جائیں۔

- یہودیوں سے متعلق پروگراموں میں ان کی قساوت ان کے ظلم اور ان کے مسلمانوں کو جیلوں میں ڈالنے اور ان پر تعذیب کے کوڑے برسانے کے عمل کو نمایاں کرنے کے بجائے خود یہودیوں کے مفادات کی تکمیل زیادہ ہوتی ہے، ان پروگراموں میں دکھایا جاتا ہے کہ یہودی اپنے دشمن فلسطینیوں پر عدالت میں مقدمہ چلا رہے ہیں اور انہوں نے انہیں اپنی دفاع کا موقع بھی دیا ہے اور انہیں اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ وہ اپنی دفاع کے لئے وکیل کی خدمات حاصل کرلیں جبکہ اسی عدالتی کاروائی کی بجائے کچھ لوگوں کو (قید حیات) سے بری کر دیا جاتا ہے اور کچھ کو قید میں ڈال دیا جاتا ہے۔۔۔۔صاف ظاہر ہے کہ اس طرح وہ چھپے دشمنان اسلام یہود کے کردار کو روشن اور خوب تر بنا کر دکھا رہے ہیں۔
- بچوں کے لیے مخصوص پروگرام مثلاً کارٹون اور غیر ملک کہانیوں کے ترجمے اصلاً مسلمان بچوں کے لیے نہیں ہوتے، بلکہ وہ بطور خاص اہل مغرب کے بچوں کے لیے ہوتے ہیں بلکہ خود مغرب میں ان میں سے بہت سی چیزیں مثلاً سائنسی تخیلاتی کہانیاں اور فضائی جنگ پر مشتمل فلمیں متروک ہو چکی ہیں کیونکہ وہاں کے ماہرین بچوں کی نفسیات پر ان کے مرتب ہونے والے خراب اثرات کا اندازہ کر چکے ہیں اور انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ تشدد پر مبنی پروگرام بچوں کی نفسیات بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ نیز یہ بچوں کا تخیلاتی دنیا میں منہمک رہنا ان کے لیے سخت مضر ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ یہ کہ کارٹون فلمیں بھی عشق و محبت کے موضوع سے خالی نہیں ہوتیں، حد یہ کہ جانوروں میں بھی عشق و محبت کے تاثرات دکھائے جاتے ہیں اور انہیں مادہ کے حصول کے لیے لڑتے ہوئے دکھایا جاتا ہے!

سوال یہ ہے کیا یہ ناگزیر ہو چکا ہے کہ ہم جھوٹ، فریب اور ڈاکہ زنی اور بے حیائی پر مبنی ان پروگراموں کو بلا تامل دیکھتے رہیں؟ اور اپنے اسلامی اقدار کو پامال کرتے رہیں۔۔۔۔۔؟

### کامیابی مگر کیسے۔۔۔؟

ہر انسان کامیابی کی شاہراہ پر دوڑنا چاہتا ہے، لیکن اکثر لوگوں کو ٹٹولا جائے تو کام کے جذبے سے خالی نظر آئیں گے۔
دنیا میں کامیابی کا کوئی راز نہیں۔ یہ تو صرف تیاری، مسلسل محنت اور ناکامیوں سے سیکھنے کا نتیجہ ہوتی ہے۔
ہر ناکامی کے ساتھ ایک کامیابی ہوتی ہے۔ اگر آپ کسی ناکامی سے عارضی طور پر دوچار ہوتے ہیں تو اس ناکامی سے سبق حاصل کیجیے۔
جب آپ کو کامیابی حاصل ہونے کا پختہ یقین ہو تو ایسے اسباب پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں کہ آپ یقیناً کامیابی تک پہنچ جاتے ہیں۔

سیرت و تاریخ

# امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہؓ کا مقام اور کردار

22 رجب سیدنا امیر معاویہؓ کے یوم وفات کی مناسبت سے مضمون

قاری سمیع اللہ
استاذ شعبہ کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ

## تعارف:

خلیفہ سادس امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کا سلسلہ نسب چار پشتوں کے بعد رسول اکرم ﷺ کے شجرہ نسب سے جاملتا ہے۔ آپؓ بعثت سے پانچ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق 7 ہجری عمرۃ القضاء کے موقع پر اسلام لائے اور فتح مکہ کے دن اپنا اسلام ظاہر کیا۔ ہجرت کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ آپؓ نبی کریم ﷺ کے کاتب تھے، وحی اور دیگر خطوط وغیرہ کی کتابت کرتے تھے۔ آپ کی بہن سیدہ ام حبیبہ (رملہؓ) رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں شامل تھیں۔ ان وجوہات کی بنا پر سیدنا امیر معاویہ کو کاتب وحی اور خال المسلمین کا لقب ملا۔ آپؓ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ حنین، طائف اور تبوک میں شامل ہوئے۔

## مقام سیدنا امیر معاویہؓ احادیث کی روشنی میں:

- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! معاویہؓ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دیجئے اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دیجئے۔" (جامع ترمذی جلد2 ص247)
- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! معاویہؓ کو حساب کتاب سکھا اور اس کو عذاب جہنم سے بچا۔" (کنز العمال)
- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "معاویہؓ میرا رازداں ہے، جو اس سے محبت کرے گا وہ نجات پائے گا، جو بغض رکھے گا وہ ہلاک ہو گا۔" (تطہیر الجنان ص19 بحوالہ طبری)
- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب معاویہؓ کو اٹھائیں گے، تو ان پر نور ایمان کی چادر ہو گی۔" (تاریخ الاسلام حافظ ذہبیؒ)
- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں معاویہؓ سب سے زیادہ بردبار ہیں۔ (تطہیر الجنان: ۱۲)

## سیدنا امیر معاویہؓ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

❖ سیدنا عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جب امت میں تفرقہ اور فتنہ برپا ہو، تو تم لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کی اتباع کرنا اور ان کے پاس شام چلے جانا۔" (تطہیر الجنان ص37)

❖ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اے لوگو! تم معاویہ رضی اللہ عنہ کی گورنری اور امارت کو ناپسند مت کرو، کیونکہ اگر تم نے انہیں (معاویہ رضی اللہ عنہ) گم کر دیا تو دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گریں گے، جس طرح ہنظل کا پھل اپنے درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہے۔" (البدایہ والنہایہ ص130)

❖ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو سردار نہیں پایا۔"

❖ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر حکومت کے لئے موزوں کسی کو نہیں پایا۔"

(تاریخ طبری ص215)

❖ حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اے لوگو معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بھلائی کے ساتھ کرو، رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہادی اور مہدی کے لقب سے نوازا۔" (ترمذی باب فضائل معاویہ رضی اللہ عنہ)

## سیدنا امیر معاویہؓ آئمہ اور علمائے کرام کی نظر میں:

❖ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں ابتداء نہیں کی۔

(المنتقی ص251)

❖ امام میمونی رحمۃ اللہ علیہ کہتے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کرتے ہیں، ہم اللہ سے عافیت کے طلب گار ہیں اور پھر مجھ سے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ کوئی شخص صحابہ رضی اس عنہم کا ذکر برائی کے ساتھ کر رہا ہے، تو اس کے اسلام کو مشکوک سمجھو۔

❖ ابراہیم بن سیرہ رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں:

میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ علیہ کو کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کو خود مارا ہو، مگر ایک شخص جس نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کی، اس کو انہوں نے خود کوڑے لگائے۔

(الصارم المسلول)

❖ امام ربیع بن نافع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول ﷺ کے درمیان پردہ ہیں، جو یہ پردہ چاک کرے گا، وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کی جرات کر سکے گا۔

❖ حضرت مجاہد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں

تم لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کردار و اعمال کو دیکھتے تو بے ساختہ کہہ دیتے یہی مہدی ہیں۔

(حاشیہ العواصم ص205)

❖ پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے راستے میں بیٹھا رہوں (کہ سامنے ان کی سواری آجائے) اور ان کے گھوڑے کے پیر کی دھول اڑ کر مجھ پر پڑ جائے، تو میں سمجھوں گا کہ یہی میری نجات کا وسیلہ ہے۔

(خلاصہ غنیۃ الطالبین ج1 ص171)

❖ قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حضور انور ﷺ کے صحابی اور برادر نسبتی ہیں، کاتب رسول اور وحی الٰہی کے امین ہیں، جو انہیں برا کہے اس پر خدا، رسول اور فرشتوں کی لعنت۔ (الشفاء ص95)

❖ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تم لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بدگمانی سے بچو کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں اور زمرہ صحابیت میں بڑی فضلیت والے ہیں۔

خبر دار!!!ان کی بد گمانی میں پڑ کر گناہ کے مرتکب نہ ہونا۔ (ازالۃ الخلفاء ج1 ص113)

❖ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار ان ظیم المرتبت صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت سے منفرد حصہ پایا۔

❖ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعض لوگ غلط فہمی سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم سے الگ کر دیتے ہیں، ان کی یہ تقسیم سراسر ناانصافی پر مبنی ہے۔

❖ حضرت سید نذیر حسین دہلوی فرماتے ہیں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کفر کی حالت میں بھی کبھی اسلام کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی، قبول اسلام کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بے مثال خدمت کی۔

❖ مولانا احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرے، وہ جہنمی کتوں میں سے ایک کتا ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز حرام ہے۔ (احکام شریعت ج1 ص69,91)

❖ مولانا احمد علی رضوی بدایونی لکھتے ہیں

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان اور والدہ ماجدہ حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی تبرا ہے، اس کا قائل رافضی ہے۔ (بہار شریعت ج1 ص70)

## سیدنا امیر معاویہؓ کی تاریخ ساز اصلاحات و فتوحات

- اسلامی بحری بیڑے کا قیام۔
- بڑے بڑے اخلاقی مجرموں کے لئے خصوصی پولیس (سی۔ آئی۔ اے سٹاف) کی بنیاد۔
- دس بڑی بڑی سلطنتوں کے 5400 علاقوں پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔
- عرب میں زراعت کو فروغ دے کر بڑی بڑی نہروں اور بندوں کا قیام۔
- محکمہ رجسٹرار اور نقول کا قیام۔
- جہاز سازی کے کارخانے۔

- دنیا کا سب سے بڑا شہر "قیساریہ" جس کے 300 بازار تھے اور جس کی حفاظتی پولیس کی تعداد ایک لاکھ تھی، اس پر اسلامی حکومت قائم کی گئی۔
- خانہ کعبہ پر سب سے پہلے دیباج اور حریر کا غلاف چڑھایا گیا۔
- احادیث جمع کرنے اور دینی شعائر کے تحفظ کے لئے باقدہ محکمہ کا اجرا
- شکایات سیل کا قیام
- سرمائی اور گرمائی افواج کی تشکیل
- حفاظتی قلعوں کی تعمیر
- بری اور بحری فوج کی بنیاد
- پارلیمنٹ کا قیام

## جرنیل اسلام سیدنا امیر معاویہؓ کے تابناک جہادی کارنامے ایک نظر میں

- جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جہاد کیا
- 19ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے روم کا مشہور شہر قیساریہ فتح کیا۔
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ رضی اللہ عنہ نے چار سال شام کے گورنر رہے اور روم کی سرحدوں پر جہاد کرتے ہوئے بہت سارے شہر فتح کیے۔
- 25ھ میں روم سے جاری جہاد میں عموریہ جا پہنچے اور راستے میں فوجی مراکز قائم کئے۔
- 25ھ میں قبرص پر لشکر کشی کی اور مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑہ تیار کروایا اور پہلی بار بحری جنگ کا واقعہ پیش آیا۔
- 28ھ میں قبرص کا عظیم الشان جزیرہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہو گیا اور وہاں کے کافروں پر آپ رضی اللہ عنہ نے جزیہ عائد کیا۔
- 32ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کے قریبی علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔
- 35ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں غزوہ ذی خشب پیش آیا۔
- 42ھ میں غزوہ بحستان پیش آیا اور آپ رضی اللہ عنہ ہی کے دور خلافت میں سندھ کا کچھ حصہ بھی مسلمانوں کے زیر نگیں آیا۔

- 42ھ میں کابل فتح ہوا اور مسلمان ہندوستان میں قدابیل کے مقام تک پہنچ گئے۔
- 43ھ میں ملک سوڈان فتح ہوا اور بحستان کا مزید علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔
- 45ھ میں افریقہ پر لشکر کشی کی گئی اور ایک بڑا حصہ مسلمانوں کے زیر نگیں آیا۔
- 46ھ میں صقلیہ (سسلی) پر پہلی بار حملہ کیا گیا اور کثیر تعداد میں مال غنیمت مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔
- 47ھ میں افریقہ کے مزید علاقوں میں جہاد جاری رکھا۔
- 49ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کی طرف زبردست اسلامی لشکر روانہ فرمایا، جو مسلمانوں کا قسطنطنیہ پر پہلا حملہ تھا۔
- 50ھ میں قبستان جنگ کے بعد قبضہ میں آیا۔
- 54ھ میں آپ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان دریائے جیحون کو عبور کرتے ہوئے بخارا تک جا پہنچے۔
- 56ھ میں غزوہ سمرقند پیش آیا۔
- سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے رومیوں کے خلاف سولہ جنگیں لڑی حتی کہ آخری وصیت بھی یہی تھی کہ "روم کا گلا گھونٹ دو"۔

## آپ کی وفات:

آپ 22 رجب 60 ہجری کو وفات پا گئے اس وقت آپ کی عمر تقریباً ستر برس تھی۔

آپ نے وصیت کی تھی کہ میرہ ذاتی مال کا آدھا بیت المال میں شامل کر دینا اور میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن، ایک قمیص اور کچھ بال ہیں انکو میرے منہ کے اندر رکھنا اور پھر مجھے اللہ کے حوالے کر دینا۔ آپ کی نماز جنازہ ضحاک بن قیسؓ نے پڑھائی اور دمشق میں ہی آپ کو دفن کر دیا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

### اللہ تعالیٰ کے نزدیک چار پسندیدہ کلمات

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلمات چار ہیں:

(۱) سبحان اللہ، (۲) الحمد للہ، (۳) لا الہ الا اللہ (۴) اللہ اکبر

تم ان میں سے جس کلمے کو پہلے کہو، کوئی حرج کی بات نہیں۔ (صحیح مسلم)

معیشت و تجارت

# اسلامی بینکاری

عبدالمنعم فائز

2007ء میں عالمی معیشت کو مالیاتی بحران کا شدید دھچکا لگا۔ سرمایہ دارانہ معیشت کے غبارے سے ہوا نکلنے لگی۔ امریکی اور یورپی ادارے دم توڑ گئے۔ بینک دیوالیہ ہو گئے، لیکن جس وقت پوری دنیا کے کمرشل بینک مالیاتی بحران سے دوچار تھے، اسلامی بینک اپنی کامیابی کی منازل طے کر رہے تھے، کیونکہ شرح سود کے اتار چڑھاؤ سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا۔ اسلامک فائنانس مارکیٹ اپنی حقیقی سرمایہ کاری، ٹوارزم اور تیل کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے مضبوط تر ہوتی چلی جا رہی تھی، جبکہ یورپی اور امریکی مارکیٹوں کو ناگہانی مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عالمی سطح پر تقریباً پچاس کے لگ بھگ بینکوں نے اس وقت اسلامک بینکنگ کا رخ اختیار کر لیا۔

آئی ایم ایف نے بھی اپنی ایک رپورٹ میں کہا تھا کہ اسلامک بینکنگ ایسی تیز ترین رفتار سے بڑھ رہی ہے جس کو نظر انداز کرنا اب ممکن نہیں رہا۔ اسلامک بینکنگ سالانہ 15 سے 20 فیصد نمو سے پھیل رہی ہے اور پوری آب و تاب کے ساتھ ابھر رہی ہے۔ نیز آئندہ بھی اس کے درخشاں مستقبل کے واضح امکانات موجود ہیں۔

مجموعی طور پر تقریباً 50 ممالک میں اس وقت اسلامک بینکنگ ہو رہی ہے۔ مغربی یورپ کے ممالک فرانس، جرمنی، اٹلی، ڈنمارک، لکسمبرگ، سوئٹزرلینڈ، آئرلینڈ اور برطانیہ میں تسلسل کے ساتھ اضافہ جاری ہے۔ ان غیر مسلم ممالک میں ایسے بینک بھی کام کر رہے ہیں جن کا سسٹم اسلامی طریقے پر ہے۔ اس کے علاوہ سنگاپور، کینیا اور انڈیا میں بھی اسلامک بینک موجود ہیں۔

اسلامی ممالک میں بحرین، ملائشیا، کویت، متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب سر فہرست ہیں۔ ان ممالک کے علاوہ قطر، پاکستان، مصر، الجزائر، ایران، تیونس، سوڈان، بنگلہ دیش، یمن، شام، انڈونیشیا، اردن اور سینگال میں بھی اسلامک بینکنگ پر کام جاری ہے۔

اسلامک بینکنگ کے پھیلنے اور شہرت پانے کا راز یہ ہے کہ یہ صرف معاشرے کے کسی خاص طبقے کو اپنی خدمات فراہم نہیں کرتی، بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو یکساں طور پر حلال مواقع اور خدمات فراہم کر رہی ہے۔ سوائے اصل رقم (Principal) کے اضافی سود کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ کلائنٹ کسی بھی وقت بغیر کسی کمی یا کٹوتی اور جرمانہ ادا کر کے کے واپس لے سکتا ہے۔ افواہوں اور تخمینے کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، جبکہ کمرشل بینکوں کا تانا بانا ہی تخمینے پر ہوتا ہے۔ عدم ادائیگی کی صورت میں قرض لینے والے کو نفع و نقصان کی شراکت کا موقع بھی دیا جاتا ہے، جبکہ کمرشل بینک اس کے اثاثے ضبط کر لیتا ہے، کوئی موقع نہیں دیتا۔

گزشتہ دنوں کینیڈا میں اسلامی بینکنگ کا غلغلہ ہوا۔ صحافی ایک عیسائی ماہر معیشت کے پاس جا پہنچے۔ اس نے ایک عجیب جملہ کہا: ”اسلامی بینکاری اگر سود کو ناجائز سمجھتی ہے تو اس میں کوئی اختلاف کی بات نہیں، عبرانی اور عیسائی تعلیمات میں بھی سود حرام ہے۔“ یہ ایک جملہ یورپ کی طرف سے مسلم معیشت دانوں کے لئے ایوارڈ ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانے سے تقریباً 21 سو سال گزر گئے۔ یہودیت کی تاریخ تو اس سے بھی پانچ سو سال پرانی ہے۔ ہندو ازم، بدھ ازم، عیسائیت اور یہودیت سمیت سود کو حرام قرار دینے والے کسی بھی مذہب کے نام لیواؤں کی ہمت نہیں ہوئی کہ سود سے پاک نظام متعارف کروا سکیں۔ عیسائیت آج دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔ اس کے پیروکاروں کو مان ہے کہ دنیا پر ان کی حکمرانی ہے۔ یہودیوں کی تعداد تھوڑی مگر ان کی معاشی سرگرمیاں سب کو مات دے رہی ہیں۔ انہیں دنیا بھر کی معیشت پر قبضے کا دعوی ہے۔ ہندومت کے ماننے والے دنیا کے دوسرے بڑے ملک انڈیا میں حکومت بنائے بیٹھے ہیں۔ مگر کسی پوپ، ربی یا پنڈت نے آج تک عیسائیت، یہودیت یا ہندومت کے ”سود سے پاک“ نظام کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ صرف امریکہ میں 16 ہزار کے لگ بھگ عیسائی تعلیمی ادارے ہیں۔ ان میں کسی تعلیمی ادارے نے آج تک عیسائی معاشی نظام کا خاکہ پیش نہیں کیا۔ یہودیوں کے تمام معاشی ماہرین اور ملٹی نیشنل کمپنیاں ایسا نظام نہیں پیش کر سکتیں جو سود سے پاک ہو۔ یہ مسلمانوں کا اعزاز ہے کہ انہوں نے زوال کے دور میں بھی سب سے مختصر عرصے میں ایک ایسا نظام متعارف کروایا ہے، جس کی تعریف عیسائیت، یہودیت اور ہندومت تک کر رہے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اسلامی بینکاری اتنی تیزی سے پھیل رہی ہے کہ اسے سنبھالنا مشکل ہوا جاتا ہے۔ عالمی بحرانوں کے بعد اب بات صرف 57 اسلامی ملکوں تک محدود نہیں رہی۔ روس، امریکا۔

کینیڈا اسمیت ہر ملک میں اسلامی بینکاری کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے۔ سوشل ازم کو ماننے والے ہوں، کیپٹل ازم کو ماننے والے ہوں یا کسی آسمانی مذہب کے پیروکار، سب کے سب اسلامی نظامی معیشت کے دلدادہ ہو چکے ہیں۔ مگر اس سارے منظر نامے میں رنگ بھرنے کے لئے جتنی بڑی تعداد میں اسلامی مالیاتی نظام کے ماہرین کی ضرورت ہے، وہ ابھی تک پوری ہوتی نظر نہیں آرہی۔ سودی مالیاتی نظام اور اسلامی نظام میں بنیادی فرق شریعت کا ہے۔ اسلامی مالیاتی نظام شریعہ بورڈ کی زیر نگرانی کام کرتا ہے۔ جنرل کونسل فار اسلامک بینکس اینڈ فائنانشل انسٹیٹیوشنز کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق 2010ء میں 621 ماہرین شریعت اسلامی مالیاتی انڈسٹری میں خدمات سر انجام دے رہے تھے۔ یہ افراد اسلامی مالیاتی اداروں میں 1767 عہدوں پر فائز تھے۔ مجلۃ الاقتصاد الاسلامی کے مطابق: دنیا میں سب سے نمایاں 20 شریعہ ایڈوائزرز نے 708 عہدے سنبھال رکھے تھے۔ جبکہ پہلے دس شرعی ماہرین نے 510 عہدوں کا چارج سنبھالا ہوا تھا۔ جس ماہر کو سب سے زیادہ مالیاتی اداروں میں لیا گیا وہ 104 مختلف عہدوں پر فائز ہوا۔ دوسرے نمبر پر آنے والی شخصیت کو 94 مالیاتی اداروں میں لیا گیا۔

ایسی صورت حال میں پاکستان تیزی سے اسلامی بینکاری کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اگلے چند سال میں اسلامی بینکاری بڑھ کر مجموعی بینکاری کے 25 فیصد حصے تک پھیل جائے گی۔ نوجوان نسل کی ذمہ داری بنتی ہے کہ سود سے پاک بینکاری کو فروغ دینے پر اپنی صلاحیتیں صرف کریں۔ تعلیمی اداروں کو مالیاتی نظام سے متعلق کورسز پر توجہ دینا ہو گی۔ ہر شخص اپنے حصے کی شمع جلائے گا تو پھر ہی اسلامی نظام کی چکا چوند سے آنکھیں خیرہ ہوں گی۔ تبھی ڈھلکتی پتیوں کو تازگی مل سکے گی۔

اسلامی بینکاری کو جو اس وقت چیلنج درپیش ہے وہ افراد کا فقدان ہے۔ ایسے مستند مفتیان کرام کی ضرورت ہے جو اس میدان میں ماہر ہوں اور شریعہ کمپلائنس پروڈکٹس میں اضافہ اور جدت کی راہیں ہموار کر سکتے ہوں۔ ایسے افراد بھی میسر ہوں جو آئی ٹی ایکسپرٹ، قومی قوانین اور ٹیکس کے پیچیدہ نظام کی گھتیاں سلجھانے والے ہوں۔ اس کے علاوہ پوری دنیا میں بشمول غیر مسلموں کے اس حوالے سے شعور اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ تاجر برادری کو بھی چاہیے کہ وہ اس میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کریں۔ اگر ان چیلنجز پر قابو پانے کی کوشش کی جائے تو وہ دن دور نہیں جب ہم دنیا کے باسیوں کو غیر سودی معاشی نظام سے آشنا نہ کر سکیں۔

مقالات و مضامین

# اسلام میں تبدیلی کا تصور

مولانا عابد علی پشاوری

زمانہ ہر دم متغیر ہے۔ ہر آنے والا دن نئے مسائل اور معاملات لے کر آتا ہے۔ نئی مشکلات لے آتا ہے۔ ہر آنے والا وقت سوالات لے کر آتا ہے۔ ہر صبح جب طلوع ہوتا ہے تو اپنے جلو میں نئی مشکلات لے کر آتا ہے۔ اگر کسی نظام کے پاس ان تمام سوالات کا جواب موجود نہ ہو، ان نئی نئی مشکلات کا حل موجود نہ ہوں، ان نئے معاملات و مسائل کا حل اس کے پاس نہ ہے تو اس کے لیے زندگی میں اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایک مرحلہ آتا ہے کہ وہ اپنا وجود کھو بیٹھتا ہے۔

بدلتی دنیا میں اپنا مقام برقرار رکھنے کے لیے دو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر آنے والی تبدیلی کا ساتھ دیا جائے، ہر نئی چیز کا خیر مقدم کیا جائے اور ہر جدید کو مرحبا کہا جائے۔ ہر آنے والا کا خیر مقدم کیا جائے اور جانے والے کو جلد از جلد رخصت کر دیا جائے۔ ذرا غور فرمایئے کہ افکار و قوانین کی دنیا میں اگر یہ سلسلہ شروع ہو جائے کہ ہر آنے والی چیز خیر مقدم کی مستحق ہو اور کل کی ہر چیز جو گذشتہ کل میں آئی تھی وہ الوداع کہے جانے کی مستحق ہو تو دنیا کے کسی نظام میں نہ توازن برقرار رہ سکتا ہے نہ تسلسل برقرار رہ سکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دوام و تسلسل کو بھی برقرار رکھا جائے اور حالات کا حل بھی پیش کیا جائے۔ یہ کام وہی نظام کر سکتا ہے جس میں دوام اور ثبات کے ساتھ ساتھ تغیر اور تبدیلیوں کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہو۔ جس میں تسلسل ہو اور تسلسل تو نام ہی ماضی اور مستقبل میں روابط مضبوط کرنے کا ہے اور یہ کام حال کر سکتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے اولین علمبردار وہ عرب تھے جو ہر قسم کے تہذیبی اور تمدنی پس منظر سے تقریباً عاری تھے۔ یہ اکثر و بیشتر خانہ بدوش تھے، بدو تھے۔ ان جو مختلف بستیوں میں بھی آباد تھے وہ بہت سادہ اور ابتدائی معشیت رکھتے تھے۔ ان کی بستیاں بھی چھوٹی چھٹی تھیں او اس زمانے کے تہذیبی اور تمدنی لحاظ سے بھی ان کا کوئی خاص بلند مقام نہیں تھا۔

ظاہر ہے اس زمانے میں بھی عرب کے لوگ تجارت کے لیے ملکوں میں جایا کرتے تھے۔ دو سفروں کا ذکر تو قرآن مجید میں موجود ہے: {رحلة الشتاء و الصيف} یمن اور حبشہ تجارت کے قافلے جایا کرتے تھے۔ عربوں کے تجارتی قافلے ہندوستان بھی آیا جایا کرتے تھے۔ عرب کے بہت سے تاجر ہندوستان کے تاجروں سے بھی تعلقات رکھتے تھے۔ عربوں کے تجارتی قافلے شام اور سلطنت روما میں بھی جایا کرتے تھے اور وہاں ان حضرات کو پذیرائی بھی ملتی تھی۔ لیکن اس کا پس منظر یا محرک صرف تجاری یا سیاسی مفادات تھے جس کی وجہ سے مختلف علاقوں کی حکومتیں عرب تاجروں کو بعض مراعات دیتی تھی۔

اس طویل تجاری سفر کے باوجود، سالہا سال کے اس روابط کے باوجود، عربوں کے تہذیبی یا تمدنی انداز میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تہذیبی اعتبار سے عرب ایک نو آموز اور بالکل ابتدائی درجے کے لوگ تھے اور ایک صاف اور واضح تختی سے ان کو تشبیہ دی جاسکتی ہے جس پر کوئی بھی نقش منقوش نہ تھا۔ پہلا نقش جو عربوں کے دل و دماغ پر پڑا وہ اسلام کا نقش تھا۔

اگر شریعت کسی ایسے قوم کو دی جاتی، اگر شریعت کے اولین علمبردار کوئی ایسے لوگ ہوتے جو پہلے سے کسی تہذیب یا تمدن سے وابستہ ہوتے تو ماضی کے تہذیبی رویے، ماضی کے تہذیبی رجحانات، ماضی کے تمدنی انداز قرآن پاک کی اصالت اور قرآن پاک کی پاکیزگیء اور شریعت کے اصولوں کی اصالت کو شاید متاثر کرتے۔ اس لیے شریعت کا اولین نقش ایسے علاقے میں رکھا گیا جہاں پہلے سے کوئی نقش موجود نہیں تھا۔ شریعت کے اولین حروف وہاں لکھے گئے، اس تختی پر لکھے گئے جس پر پہلے کوئی حرف لکھا ہوا نہیں تھا۔ اگر اکا دکا کوئی ادھ مٹ حروف موجود بھی تھے تو وہ ملت ابراہیمی کے حروف اور نقوش تھے جن پر شریعت کی بنیاد تعمیر کی جاتی تھی۔

جب شریعت کے نقوش مکمل ہو گئے اور شریعت کا بنیادی نقشہ انسانوں کو دے دیا گیا تو یہ بنیادی نقشہ ملت ابراہیمی کے علاوہ باقی تمام اثرات سے پاک اور صاف تھا۔ نہ اس پر ایرانی اثرات تھے نہ رومی، نہ ہندوستانی فکر و تمدن کے آثار تھے نہ چینی، وہاں نہ مشرقی اثرات تھے اور نہ مغربی اور علامہ اقبال کے بقول نہ اس میں نہایت مکانی نہ نہایت زمانی بلکہ یہ خالص تصورات پر مبنی ملت ابراہیمی کی بنیادوں پر قائم، قرآن مجید اور سنت رسول سے مستنیر ایک نقشہ عمل اور نمونہ ہدایت تھا جس کو لے کر عرب دنیا میں نکلے۔

عرب کا یعنی اسلام کے اولین علمبرداروں کا جب مختلف تہذیبوں سے سابقہ پڑا تو انہوں نے مختلف تہذیبوں کے بارے میں کوئی معاندانہ رویہ نہیں اپنایا۔ کیوں کہ معاندانہ رویہ توازن اور اعتدال کے تصورات کے خلاف ہوتا۔ دنیا کے تمام فاتحین کے برعکس عربوں نے مفتوحین کے بارے میں کھلے دل کے ساتھ جو رویہ رکھا وہ اسی توازن اور اعتدال کا ایک مظہر ہے۔

خود خلفائے راشدین نے، سیدنا عمر فاروق، سیدنا عثمان غنی، حضرت علی بن ابی طالب اور ان کے بعد آنے والے متعدد خلفائے اسلام نے ایران، شام اور مصر کے فتح کے بعد ان علاقوں کے مقامی نظم و نسق میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ جو مقامی نظم و نسق سلطنت روما کے زمانے سے شام اور فلسطین میں چلا آرہا تھا اس کو جوں کا توں رکھا۔ جو مقامی نظم و نسق ایران میں خسروؤں، کسراؤں کے زمانے سے چلا آرہا تھا اس کو جوں کا توں باقی رکھا۔ یہاں تک کہ ایران کے علاقوں میں فارسی زبان مقامی حکومتوں کی زبان کے طور پر جاری تھی، جاری رہی۔ یہ تو بہت بعد میں ایران کی زبان عربی کر دی گئی جب زیادہ عرب وہاں آباد ہوئے، یہ بھی ایک انتظامی بات تھی، کوئی علاقائی، نسلی یا لسانی جزبے کے تحت نہیں ہوا۔

اس پس منظر سے معلوم ہوا کہ اسلام وہ واحد دین و مذہب ہے جس میں ثبات و دوام کے ساتھ ساتھ تغییر کی صفت بھی ہے۔ ایسا دین ہے کہ جو مضبوط قواعد کا حامل ہونے کے باوجود عصر حاضر کے تقاضوں کو اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

گوشہ خواتین

# بچے اور جھوٹ

انور غازی

اگر کسی بچے میں چھوٹی عمر میں چوری اور جھوٹ کی عادت پڑ جائے تو وہ مرتے دم تک اس میں مبتلا رہتا ہے۔ "میں تو چھوڑتا ہوں مگر کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔" زندگی کے کسی بھی لمحے وہ اپنی اس بُری عادت سے چھٹکارا پانے کی کوشش ضرور کرتا ہے، لیکن اس کی یہ عادت اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

ایک شخص نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں بچپن میں پڑوس کے گھر میں لگے آم کے درخت سے دوپہر کے وقت چوری چھپے ایک "کیری" لے آیا۔ گھر آکر بہن کو دی۔ اس نے چھیل کر، نمک لگا کر خود بھی کھائی اور مجھے بھی کھلائی۔

بس اس کے بعد تو میری عادت سی بن گئی۔ میں ہر روز دوپہر کو کسی نہ کسی گھر سے کچھ نہ کچھ چوری چھپے لے آیا اور ہم دونوں بہن بھائی مل کر کھاتے۔ ایک دن اماں جی نے مجھے قریبی دُکان سے سودا سلف لینے کے لئے بھیجا۔ جب دکاندار، دکان سے میرے لیے سامان جمع کر رہا تھا تو میں نے آہستہ سے سامنے رکھی ٹافیوں میں سے دو ٹافیاں اٹھالیں۔ دکاندار سے آنکھیں چرا کر نیفے میں ٹھونس لیں۔ گھر جا کر ایک ٹافی بڑی بہن کو دی اور دوسری خود مزے لے لے کر کھائی۔ اس کے بعد میں جب بھی دکان جاتا تو کوئی نہ کوئی چیز ضرور چرا کر لاتا۔

پھر رفتہ رفتہ میں نے پیسوں میں ہیر پھیر شروع کر دی۔ مجھے کوئی بھی شخص چیز لانے کے لئے بھیجتا تو میں اس میں لازمی ڈنڈی مار دیتا۔ چوری کی، ہیرا پھیری کی، خیانت کی، کرپشن کی، حرام خوری کی جو عادت مجھے بچپن میں پڑ گئی تھی، آج پچپن سال بعد بھی قائم ہے، حالانکہ اللہ کا دیا میرے پاس بہت کچھ ہے۔ میں خود بھی اس بُری عادت سے تنگ ہوں۔ اس سے جان اور پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں، مگر عادت کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ منہ کو لگی یہ کافر چھوٹتی ہی نہیں ہے، کیا کروں۔ میں نے بہت کوشش کی ہے۔ متعدد بار توبہ بھی کی ہے، مگر ہر دو چار دن بعد پھر توبہ ٹوٹ جاتی ہے۔

واقعتاً جھوٹ وہ بدترین جرم ہے جو آج کے بین الاقوامی قانون میں بھی جرم ہے۔ اسلام میں تو پہلے ہی سے جرم تھا۔ اگر کسی سے جرم ثابت ہو جائے، یعنی کسی کا جھوٹ بولنا تو اس کو سزا دی جاتی ہے، کیونکہ جرم کیا ہے۔ جھوٹ وہ بدترین عادت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ تک کسی بھی شریعت میں کسی بھی اُمت میں ایک لمحے کے لے حلال نہیں ہوئی۔ ہمیشہ یہ حرام رہی اور کیسے نہ ہو کہ جھوٹ تو شیطان کی صفت ہے اور سچائی رحمٰن کی صفات میں سے ہے۔

جھوٹ ایک بدترین عادت ہے۔ اس حوالے سے بچوں کی نگرانی کرنا ضروری ہے۔ تربیت کرنے والے حضرات و خواتین خصوصاً والدین اور گھروں کے بزرگ اس پر نظر رکھیں۔ ایک دو دن کی نظر کافی نہیں، مسلسل نظر رکھنا پڑے گی۔ مسلسل نگرانی کرنی پڑتی ہے، تب جا کر اس کے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ پھر دیکھیں ان شاء اللہ! ہمارے بچے اور ہمارے گھر والے سچوں کے سچے بن جائیں گے۔

عام طور پر خواتین میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ ایک معمولی سے نفع کے لئے کھلم کھلا جھوٹ بول دیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ماں کی طرف سے بات چلے گی تو بچے میں آئے گی۔ ماں اگر اس کے اندر احتیاط کرے گی تو بچہ بھی محتاط رہے گا۔ مسلسل گرفت، مسلسل تعاقب، مسلسل نگرانی بُری عادت سے بچوں کو نجات دے سکتی ہے، ورنہ نجات کا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔

دوسری چیز چوری ہے۔ یہ بھی اسی عمر سے بچوں کے اندر پیدا ہونا شروع ہوتی ہے جس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ گھر اور چھوٹے بڑے بچے بھی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک گھر میں دو تین خاندان ہیں۔ اب کسی ایک بچے کے پاس کوئی اچھا سا کھلونا آ گیا تو دوسرے کا بچہ خاموشی سے اس کو چرا کر چھپا کے رکھ دے گا یا کوئی کھانے پینے کی چیز دوسرے بچے کو مل گئی، اس کو نہیں ملی تو اب یہ کوشش کرے گا کہ میں کسی طریقے سے اس کو چپکے سے اٹھا کر کھالے۔ تو یہ ہے چوری کی ابتداء۔

اگر اس موقع پر نگرانی نہ کی گئی اور ایسے ہی چھوڑ دیا گیا کہ چلو سب گھر کے ہی بچے ہیں، کیا ہوا؟ ایسا ہوتا ہے تو یہ چوری کی عادت اور آگے بڑھتی ہے۔ یہ دوسروں کے گھروں میں جاتے ہیں، جو چیز اچھی لگی، اس کو چپکے سے اُٹھا لیتے ہیں۔

یہ سب وہ باتیں ہیں جو ہمارے معاشرے اور ہمارے بچوں میں پائی جاتی ہیں۔ کہیں کوئی اور چیز مل گئی وہ پسند آ گئی اور چپکے سے اُٹھالی اور چھپالی۔ گھر سے چوری کا سلسلہ چھوٹے چھوٹے کھلونے سے اور کھانے پینے

کی معمولی چیزوں سے شروع ہوا اور یہاں تک پہنچ گیا۔ اس لیے نگرانی کی اَشد اور سخت ضرورت ہے۔ خدا نہ کرے اگر نگرانی نہ کی تو ان کا قدم بڑھے گا۔

جب معلوم ہو جائے کہ بچے نے یہ کام کیا ہے تو تنبیہ کی جائے۔ اگر ہلکی پھلکی مار کی ضرورت پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کیا جائے۔ لیکن اس میں بھی اعتدال سے کام لینا چاہیے۔ پھر بچے سے کہا جائے کہ جاؤ واپس کر کے آؤ۔ یہ ایک نفسیاتی بات ہے کہ وہ واپس کرنے کے لئے جانے پر کبھی راضی نہ ہو گا، مگر آپ نے اسے مجبور کرنا ہو گا کہ نہیں، جاؤ! ابھی کے ابھی واپس کر کے آؤ۔

اگر ہم خود واپس کریں گے، ہم تو اپنے بچے کے اس عیب پر پردہ ڈالنے کے لئے ان سے ہزاروں معذرت کریں گے کہ ایسا ہو گیا اور ویسا ہو گیا، وہ دھوکے میں لے گیا، غلطی میں لے گیا۔ اس سے بچے کی فطرت پر اثر نہیں پڑے گا۔ اس لئے لازماً اسی سے واپس کروانا چاہیے۔ جب وہ واپس کرے گا، شرمندگی اسے ہو گی اور رُک جائے گا۔ آئندہ نہیں کرے گا اور سوچے گا کہ کیسی مصیبت آگئی کہ شرمندگی اُٹھانا پڑتی ہے۔

یہ تربیت کے تفصیلی طریقے ہیں، لیکن اتنی بات ہے اگر اس وقت نگرانی نہ کی گئی تو اب اور آگے بڑھا اور اس نے اپنی ضرورت بلکہ خواہش پوری کرنے کے لئے کبھی ماں کے بٹوے میں سے کچھ نکال لیا، کبھی باپ کی جیب میں سے کچھ نکال لیا۔ یوں وہ ایک لالچی ذہنیت کا مالک بن جائے گا اور پھر یہ عادت کبھی اس سے چھوٹ نہ پائے گی۔

اگر اس موقع پر سخت نگرانی کر لی گئی، ٹھیک ہو جائے گا ورنہ یہ آگے بڑھ کر فساد کا باعث بنے گا۔ چنانچہ پہلی چوری پر ہی اس کو تادیبی انداز میں سزا دی جائے۔ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ بچے کو دس روپے کا نوٹ دیا کہ جاؤ آٹھ روپے کی چیز لے آؤ۔ اس نے دو روپے واپس دیے ہی نہیں اور اپنے پاس رکھ لیے تو یہ بھی چوری کی ایک قسم ہے۔ اب اس حرکت پر ماں باپ نے چھوڑ دیا کہ چھوڑ دو روپے کی ہی تو بات ہے۔ اپنے بچے کے پاس ہے....، مگر یہاں دوسری چیز بھی ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں چوری کی ایک قسم اس کے اندر آگئی۔

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے، ایک بزرگ دنیا سے گزر گئے، اللہ اُن کو جنت عطا فرمائے۔ انہوں نے کسی کو بتایا کہ میرا سب سے بڑا بچہ تھا۔ میں نے اس کو 20 روپے دیے کہ بازار سے فلاں چیز لے کر آؤ۔ وہ چیز آٹھ روپے کی آئی، باقی روپے اس نے مجھے واپس نہ دیے، میں نے کچھ دیر تو انتظار کیا۔

ایک دن انتظار کیا کہ شاید واپس دے دے، لیکن نہیں دیے، تو دوسرے دن میں نے اسے بلا لیا کہ بھئی! فلاں چیز کتنے کی آئی ہے؟ کہا اتنے کی، باقی پیسے کہاں ہیں؟ اب اس کو ذرا فکر ہوئی تو فوراً کہا، میری جیب میں ہیں۔ تم نے بغیر اجازت کیوں جیب میں اب تک رکھے؟ کیا یہ تمہارے لئے صحیح تھا؟ جائز تھا یا ناجائز تھا؟ نکالو! اس نے نکال کر دے دیے۔ گھنٹہ بعد پھر بلایا اور کہا کہ یہ لو، اب یہ پیسے تمہارے ہیں۔ تربیت یہ ہوتی ہے۔ پیسے بھی دے دیے اور نصیحت بھی کر دی۔

قدیم کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ ایک چور پکڑا گیا۔ چوری ثابت ہو گئی تو عدالت نے اس کے اوپر حد جاری کرنے یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا کا حکم دے دیا۔ جب اس کو سزا کے لئے لے جایا گیا، تو اس نے لوگوں سے چیخ کر کہا کہ میرا ہاتھ کاٹنے سے پہلے میری ماں کی زبان کاٹ لو۔ پوچھا گیا بھئی! کیا بات ہے؟

کہنے لگا: ”میں تو اپنی ماں کی وجہ سے اتنا بڑا چور بنا ہوں۔ سب سے پہلے جب میں بچہ تھا، پڑوس سے ایک انڈا چرا کر لایا تھا، لا کر میں نے وہ ماں کو دیا۔ بجائے اس کے کہ ماں مجھے نصیحت کرتی، مارتی سزا دیتی، واپس کراتی۔ اس نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ زبان سے کہنے لگی: واہ واہ! میرا بچہ تو اب کما کر لانے لگا ہے۔ اگر اس وقت وہ مجھے تنبیہ کر دیتی اور اپنی زبان سے خوشی کا اظہار نہ کرتی تو آج میں اتنا بڑا چور نہ بنتا، لہٰذا میرا ہاتھ کاٹنے سے پہلے اس کی زبان کاٹو۔“

یہ جو ڈاکو، چور یا دیگر بیسیوں قسم کے جرائم میں ملوث لوگ ہوتے ہیں، یہ بچپن میں تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہی تیار ہوتے ہیں۔ دنیا میں کوئی ڈاکو پیدا نہیں ہوتا، کوئی چور پیدا نہیں ہوتا، حالات اس کو ڈاکو اور چور بنا دیتے ہیں۔ گھر کی تربیت اور ماحول بنا دیتا ہے۔ اگر بچپن میں والدین اور گھروں کے بڑے اپنے ننھے منے پھولوں کی اسلامی نہج پر تربیت کریں تو پھر دیکھیے کیا کیفیت ان کی ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ حالات یکسر تبدیل ہو جائیں گے۔ معاشرے میں امن ہو جائے گا۔

## تعلیم

تعلیم ایک ایسا طاقت ور ہتھیار ہے، جس کے ذریعے آپ دنیا فتح کر سکتے ہیں، چاہے وہ دعوتی میدان ہو یا کاروباری دنیا۔

تعلیم کا مقصد شیشوں سے ونڈو بنانا ہے نہ کہ ونڈو کو شیشوں میں بدلنا۔ تعلیم تعمیر کا نام ہے نہ کہ تخریب کا۔

اخبار واحوال

# جامعہ و ملحقہ شعبہ جات کے معمولات و سرگرمیاں

انجنئیر شمس الحق آخر یدی

## جامعہ تبلیغ القرآن

### اصلاحی بیانات:

- 3 مارچ 2016ء کو جامعہ میں "دیر باجی" نے خواتین کو "سفر آخرت کی تیاری" کے عنوان پر بیان کیا جس میں کثیر تعداد میں خواتین نے شرکت کی۔
- 17 مارچ 2016ء کو جناب مفتی ضیاء الحق صاحب نے جامعہ میں "خواتین کی دین اسلام میں اخوت" کے موضوع پر بیان کیا جس میں جامعہ کی طالبات و عام خواتین نے بھرپور شرکت کی۔
- 31 مارچ 2016ء کو جناب مفتی محمد حسین صاحب نے "تربیت اولاد" کے عنوان پر بیان کیا۔
- 14 اپریل 2016ء کو جامعہ میں نائب رئیس جناب ڈاکٹر حشمت علی صافی صاحب نے خواتین سے عام اصلاحی بیان کیا۔

### سیمینار بعنوان "پاکستان ایک نعمت ہے":

- 23 مارچ 2016ء کو جامعہ میں یوم پاکستان کے حوالے سے رئیس جامعہ حضرت مولانا مفتی محمد آیاز صاحب نے "پاکستان ایک نعمت ہے" کے عنوان پر تفصیلی گفتگو کی جس میں کثیر تعداد میں اہل علاقہ، سماجی شخصیات، سکول و کالج کے طلبہ اور عوام الناس نے شرکت کی۔

### اُصول تدریس کلاس:

- 13 مارچ 2016ء کو جامعہ سے ملحقہ شاخوں و مکاتیب کے ذمہ داران کو نائب رئیس جامعہ ڈاکٹر حشمت علی صافی صاحب نے اصول و طریقۂ تدریس کے موضوع پر تفصیلی لیکچر دیا۔ اسکے علاوہ شرکاءِ کلاس کو مفید مشورے اور اُصول تدریس سے متعلق جملہ نصائح بھی بتائے۔

## تربیتی ورکشاپ:

- جامعہ اپنے ارکان کی تربیت کے لئے وقتاً فوقتاً مختلف کلاسز اور ورکشاپس کا انعقاد کرتی ہے۔ اس ضمن میں جامعہ میں 'تنظیم و ترقیٔ انسانی وسائل' (Human Resource Management & Development) کے نام سے ایک شعبہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ 2،3 اپریل 2016ء کو بعد از نماز عصر دو روزہ تربیتی ورکشاپ کا انعقاد ہوا جس میں ملٹی میڈیا کے ذریعے رئیس جامعہ مفتی محمد آیاز صاحب، نائب رئیس ڈاکٹر حشمت علی صافی صاحب اور پرنسپل العلم اکیڈیمیا جونیئر سکول جناب یوسف ظفر صاحب نے مختلف عنوانات پر مفید فکری اور انتظامی تربیتی لیکچر دیے۔

## ایمپلائز میٹنگ:

❖ 22 اپریل کو بعد نماز جمعہ تمام اداروں اور شعبہ جات کے ایمپلائز کے ساتھ مجلس مقنّنہ کے ارکان کی میٹنگ ہوئی۔ جس میں ان کو ہدایات دی گئیں اور اصول و ضوابط کی یاد دہانی کرائی گئی۔

# درس نظامی

## جامعہ میں صفائی مہم:

- جامعہ کی صفائی ستھرائی اور دیکھ بھال کی غرض سے انجمنِ طلبہ تبلیغ القرآن کی زیر اہتمام صفائی مہم کا انعقاد ہوا۔

## انجمن طلبہ کی ماہانہ میٹنگ:

- 18 مارچ کو رئیسِ جامعہ کی زیرِ صدارت انجمن طلبہ تبلیغ القرآن کی ماہانہ میٹنگ ہوئی جس میں اہم امور زیرِ غور آئے۔

## شب مذاکرہ:

- 10 اپریل بعد نماز مغرب طلباء درسِ نظامی کی عملی، فکری اور اخلاقی تربیت کی غرض سے دوسرا "شبِ مذاکرہ" کا انعقاد ہوا۔ جس میں کثیر تعداد طلبہ نے شرکت کر کے مختلف تربیتی سرگرمیوں میں حصہ لیا اور اسی موقع پر تمام اساتذہ اور طلبہ کے طعام ضیافت کا بندوبست بھی کیا گیا۔

**بزم ادب کا انعقاد:**

- انجمن طلباء جامعہ تبلیغ القرآن کے زیرِ انتظام سالانہ پُر رونق اجتماعی بزم ادب کا انعقاد کیا گیا جس میں طلباء نے بھرپور انداز میں حصہ لیا۔ بزم میں تلاوتِ کلام پاک، نظم و نعت اور مختلف موضوعات پر تقاریر کیں۔
- 12 اپریل تا 18 اپریل ایک ہفتہ جامعہ تبلیغ القرآن شعبہ درسِ نظامی کے طلبہ و طالبات سے سالانہ امتحان لیا گیا، جس میں طلباء و طالبات نے بھرپور محنت کی۔

**سالانہ پروگرام بسلسلہ تقسیم اسناد برائے فاضلہ دینیات کورس:**

- 17 اپریل 2016ء کو جامعہ میں 3 سالہ فاضلہ دینیات کورس کی اختتامی تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں فاضلات میں تقسیمِ اسناد اور درسِ نظامی کے تمام درجات کے سالانہ امتحان میں اچھی پوزیشن لینے والی طالبات میں انعامات تقسیم کیے گئے۔

## تبلیغ القرآن تعلیمی سوسائٹی

**جامعہ سے ملحقہ مکاتیب کے دورہ جات:**

- مارچ کے مہینے کے آخری ایام میں سوسائٹی کے نگران جناب مولانا لقمان احمد صاحب نے مختلف مدارس کے دورے کیے، جس میں مدرسہ تعلیم القرآن میاں گجر، ادارہ تعلیم القرآن فقیر آباد، مدرسہ دار القرآن سعید آباد اور مدرسہ دار ارقم شامل ہیں۔ مکاتیب کے ذمہ داران سے ملاقات ہوئی اور اُن کی کارکردگی سمیت نظام کی جانچ پڑتال کی گئی۔

**ریفریشمنٹ کلاس:**

- سوسائٹی کی طرف سے بنات مدارس کے تمام ذمہ داران اور معلمات کے لئے ریفریشمنٹ کلاس کا انعقاد کیا گیا۔ جس میں تمام ذمہ داران و معلمات نے شرکت کی۔

**معلمین میٹنگ:**

- شعبہ اطفال کی معلّمین صاحبان کے ساتھ ایک تربیتی نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں کلاس کی بہتری کے حوالے سے انہیں ہدایات دی گئیں۔ اس کے علاوہ معلّمین کی جانب سے مختلف مسائل و مشکلات کی نشاندہی کی گئی جس کے تدارک کے لئے لائحہ عمل وضع کیا گیا۔

# تنظیمی سرگرمیاں

## دوماہی اجلاس:

- 15 مارچ 2016ء کو بعداز نماز مغرب یونٹ سعید آباد میں شعبہ تنظیم کی ذیل میں ناظمین کا اجلاس ہوا جس میں سالانہ دورہ تفسیرِ قرآن اور دروسِ قرآن نیٹ ورک کے بارے میں سیر حاصل بحث کے علاوہ مختلف امور پر تبادلۂ خیال ہوا۔

## شب مذاکرہ:

- 30 مارچ 2016ء کو مقنّنہ اور منتظمہ کے ارکان کی فکری و روحانی تربیت کے لئے شب مذاکرہ کا انعقاد ہوا۔ یہ مجلس پانچ نشستوں پر مشتمل تھی۔ 1۔ فکری تربیتی نشست، 2۔ روحانی تربیتی نشست، 3۔ مطالعہ نشست، 4۔ سوال و جواب نشست اور 5۔ منتظمہ اجلاس۔ شب مذاکرہ کے معمولات رات 8 بجے تا 12 بجے تک جاری رہے۔

# مختلف سرگرمیاں

## ختم قرآن:

- 25 مارچ 2016ء کو نوے کلے بنات مدرسہ میں ختم قرآن کے موقع پر رئیس جامعہ مفتی محمد آیاز صاحب نے تفصیلی بیان اور دعا کی جبکہ ان کے ہمراہ جناب مفتی ضیاء الحق صاحب نے آخری تین سورتوں کا درس دیا۔

## جامعہ میں مہمانوں کی آمد:

- 8 مارچ 2016ء کو اسلامی نظریاتی کونسل کے سیکٹری جنرل جناب ڈاکٹر مولانا اکرام الحق یاسین صاحب اسلام آباد سے بعداز نماز عصر جامعہ تشریف لائے اور ان کے ساتھ رئیسِ جامعہ اور نائب رئیس کی تفصیلی نشست ہوئی۔
- 24 مارچ 2016ء بعد عشاء مولانا شمس الہادی اور ناظم محمد فیاض صاحب جامعہ تشریف لائے اور رئیس جامعہ کے ساتھ مختلف امور پر تبادلۂ خیال ہوا۔
- 29 مارچ 2016ء کو شاہ پور جامعہ سے محترم مولانا محمد انور صاحب، قاری عبید صاحب اور دیگر ساتھی جامعہ تشریف لائے۔

- 30 مارچ 2016ء کو بعد عصر جماعت اسلامی کے جناب حافظ حشمت، مولانا حنیف اللہ اور دیگر ساتھی جامعہ تشریف لائے اور رئیس جامعہ کو منصورہ لاہور میں ایک پروگرام میں شرکت کی دعوت دی۔
- 30 مارچ 2016ء کو بعد نماز عصر جماعت اسلامی کے ممتاز رہنما محترم جناب بحر اللہ ایڈوکیٹ صاحب نے جامعہ کا دورہ کیا۔
- 11 اپریل 2016ء کو بعد نماز عشاء شرینگل دیر کے شیخ التفسیر مولانا عبدالحق صاحب اور ان کے ساتھی جامعہ تشریف لائے۔
- 21 اپریل 2016ء کو بونیر کے مولانا فضل وہاب صاحب جامعہ تشریف لائے۔

## ماہانہ درسِ قرآن:

- 24 اپریل 2016ء کو شامی روڈ پر ڈاکٹر ممتاز علی کے ہاں ماہانہ درسِ قرآن شروع ہوا اور حضرت مفتی صاحب نے درس دیا۔

## نمازِ جنازہ میں شرکت:

- 25 اپریل 2016ء کو قاضی کلے یونٹ کے ساتھی مراد کے والد کی نماز جنازہ میں ڈاکٹر حشمت علی صافی اور دیگر ساتھیوں نے شرکت کی۔
- 26 اپریل 2016ء کو جناب یوسف ظفر صاحب کے چچا کی نماز جنازہ میں حضرت مفتی صاحب، ڈاکٹر حشمت علی صافی اور دیگر ساتھیوں نے شرکت کی۔ اللہ تعالی مرحومین کی مغفرت فرما کر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

## دستار بندی پروگرام میں شرکت:

- 7 اپریل 2016ء کو ڈگر مدرسہ بونیر میں سالانہ دستار بندی کے پروگرام میں جناب مولانا میر افضل صاحب کی دعوت پر رئیس جامعہ حضرت مفتی محمد آیاز صاحب نے شرکت کی اس موقع پر جناب ناظم محمد فیاض، قاری محمد آیاز صاحب اور قاری احتشام الحق صاحب بھی حضرت مفتی صاحب کے ہمراہ تھے۔ جبکہ بعد نماز عصر ایک دوسری جگہ پر مولانا نور محمد کی مسجد میں ختم قرآن

کے موقع پر حضرت مفتی صاحب نے بیان کیا اور شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب (شاہ پور والے) نے آخری سورتوں کا درس دیا۔

- 10 اپریل 2016ء کو جامعہ روضۃ الاسلام نستہ چارسدہ میں دستار بندی پروگرام میں مولانا لقمان احمد صاحب کے فراغت کے سلسلے میں حضرت مفتی صاحب، جناب سلمان صافی صاحب، جناب عادل شاہ صاحب، قاری احتشام الحق اور راقم الحروف نے شرکت کی جبکہ حضرت مفتی صاحب نے اس موقع پر بیان بھی کیا۔
- 12 اپریل 2016ء خر کے شبقدر چارسدہ میں قاری عبدالولی کی دعوت پر رئیسِ جامعہ حضرت مفتی صاحب نے دستار بندی کے موقع پر بیان کیا اور جناب مفتی ضیاء الحق صاحب نے دعا کی۔

## خادم ویلفئیر سوسائٹی (KWS)

### ریسکیو 1122 ٹریننگ ورکشاپ:

- مارچ 2016ء میں ریسکیو 1122 کے زیرِ اہتمام و خادم ویلفیئر سوسائٹی کے زیرِ انتظام خادم خواتین ونگ کے لئے دو روزہ ریسکیو تربیتی ورکشاپ کا انعقاد ہوا جبکہ نشست کے اختتام پر شرکاء میں سرٹفیکیٹ بھی تقسیم کیے گئے۔
- مارچ اور اپریل کے مہینے میں خادم کے مرکز 4ی کمیٹی کی مختلف میٹنگز منعقد ہوئیں جس میں خادم کی ٹیموں کی کارگزاری کا جائزہ لیا گیا۔

## العلم ایجوکیشن سسٹم (AES)

- یکم مارچ: العلم اکیڈیمیا جونیئر سکول کے خیر خواہ معاونین اور رضاکار ساتھیوں کی ٹیم کی اس ادارہ کے قیام، تشہیر اور تزئین و آرائش کے حوالہ سے خدمات کے اعتراف کے طور پر ان کے لئے تعریفی اسناد تقسیم کی گئیں اور ٹی پارٹی کا انعقاد کیا گیا۔
- 2 مارچ: سکول سیکیورٹی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے SOS موبائل سسٹم کا قیام۔ Wifi، CCTV، Biometric حاضری، ٹیلیفون ایکسچینج وغیرہ نظاموں کا اجراء۔
- 4 مارچ: دور سے آنے والے طلباء وطالبات کے لئے ٹرانسپورٹ کا بندوبست کیا گیا۔
- 7 مارچ: سکول کے لئے فرسٹ ایڈ باکس کی سہولیات کا انتظام کیا گیا۔

- 18 مارچ: دو روزہ ابتدائی طبّی امداد کے حوالہ سے ریسکیو 1122 کی معاونت سے سٹاف کے لئے تربیتی ورکشاپ کا انعقاد ہوا۔
- 11 اپریل: سکول میں قرآن کریم کی تعلیمات کو عام کرنے اور خصوصاً دینی تعلیم و تربیت کے فروغ کے لئے "قرآن ہال" کے نام سے ایک بڑے ہال (کمرے) میں سہولیات فراہم کرنے کا آغاز کیا گیا۔
- سکول کی ڈیمانڈ کے مطابق نئے سٹاف کی بھرتی اور مفاہمتی یاداشت پر دستخط کیے گئے۔
- 15 اپریل: سکول کا پہلا بزم ادب جس میں نہ صرف بچوں کے لئے ہم نصابی سرگرمیوں کا خوبصورت انتظام کیا گیا بلکہ ان کے والدین کو بلوا کر بچوں کے حوالہ اور تربیت سے متعلقہ بریفنگ بھی دی گئی۔ والدین کے لئے اپنے بچوں کا خیال رکھنے اور بہتر تربیت کے لئے معاونت کے سلسلے میں 30 ہدایات پر مشتمل بروشر بھی تقسیم کیا گیا۔ اس پروگرام کی وساطت سے جماعت اول، دوم اور سوم کے نئے آنے والے بچوں کو سکول میں خوش آمدید بھی کہا گیا اور ان میں تحائف بھی تقسیم کیے گئے۔